جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن

(جدوجہد کے پچاس سال)

فہرست

1۔ پیش لفظ

2۔ عالمی سیاسی و معاشی پس منظر

3۔ انقلابی نظریات اور طبقاتی جدوجہد

4۔ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پچاس سالہ جدوجہد

5۔ جے کے این ایس ایف کے قیام کا پس منظر

6۔ طلبہ مسائل اور جے کے این ایس ایف کا کردار

7۔ قومی محرومی و معاشی غلامی کیخلاف جدوجہد

8۔ انقلابی پارٹی کی تعمیر اور جے کے این ایس ایف

9۔ کشمیر کی جدوجہد آزادی

۱)۔ تاریخ کشمیر

۲)۔ کٹھ پتلیوں کا راج

۳)۔ کشمیری عوام کے دگرگوں حالات

۴)۔ اُمڈتے طوفان

۵)۔ آزادی: مگر کیسے؟

۶)۔ قومی جمہوری اور سوشلسٹ انقلاب

10۔ عبوری پروگرام و منشور

11۔ دنیا بھر کے نوجوانوں و محنت کشوں کے نام

پیش لفظ

خطہ کشمیر میں غلامی اور استحصال کیخلاف نوجوانوں اور محنت کشوں کی ایک عہد ساز جدوجہد رہی ہے۔ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام بھی برصغیر کی تقسیم کے ساتھ ہی خطہ کشمیر کو تین حصوں میں منقسم کرتے ہوئے خطہ کے عوام پر ڈھائے جانیوالے مظالم کے خلاف لڑنے کا عزم رکھنے والے نوجوانوں نے آج سے پچاس سال پہلے عمل میں لایا گیا۔ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے پچاس سالہ جدوجہد کے دوران اس خطے میں نا صرف حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کیا بلکہ سائنسی سوشلزم کے نظریات سے نوجوانوں کو لیس کرتے ہوئے ایک انقلابی قیادت تراشنے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نہ صرف اس پار کشمیر میں نوجوانوں کی ایک سیاسی روایت اور محنت کشوں کی نجات کے ذریعہ کا درجہ رکھتی ہے بلکہ اُس پار بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھی جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نظریات اور جدوجہد کو نوجوانوں میں پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ پچاس سالہ جدوجہد کے اس دورانیہ اور جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نظریات اور پروگرام پر مشتمل ایک دستاویز کا تیار کیا جانا نئی نسل کو جدوجہد کے تقاضوں سے آگاہ کرنے کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔

آج دنیا ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ چند ملٹی نیشنل کمپنیاں اور عالمی مالیاتی ادارے پوری دنیا کو کنٹرول میں کئے ہوئے ہیں اور کرہ ارض پر بسنے والے اربوں انسانوں کی زندگیوں کے فیصلے لکھنے میں مصروف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست اور معیشت کا کردار عالمی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جب تک عالمی معاشی اور سیاسی صورتحال کا سائنسی نظریات کی بنیاد پر جائزہ لیتے ہوئے ملکی سیاست کا تناظر تخلیق نہیں کیا جاتا تب تک مستقبل کیلئے کی جانیوالی جدوجہد کو درست بنیادوں پر منظم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پچاس سالہ تاریخ اور انقلابی نظریات کو نوجوانوں کے سپرد کرنے کیلئے عالمی سیاسی و معاشی پس منظر کا ایک عمومی خاکہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خطہ کشمیر میں جاری آزادی کی جدوجہد، کشمیر کی

مختصر تاریخ، موجودہ صورتحال اور مستقبل کی لڑائی کے حوالے سے بھی جے کے این ایس ایف کے انقلابی نظریات کی بنیاد پر جدوجہد کے تقاضوں اور مقدمہ کشمیر کے حل پر بھی روشنی ڈالی جائے۔اس کے ساتھ ساتھ خطہ کشمیر میں سوشلزم کے انقلابی نظریات کے حوالے سے گردش کرنیوالی غلط تعریفوں کی تصحیح کرنے اور انقلابی پارٹی کی تعمیر سمیت عبوری پروگرام و منشور کا ایک اجمالی خاکہ بھی کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس فریضہ کو انجام دینے کیلئے جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سابق ضلعی چیئرمین ابرار لطیف، ایڈیٹر عزم دانیال عارف، چیئرمین ضلع پونچھ التمش تصدق اور مرکزی سینئر نائب صدر خلیل بابر کی انتھک محنت، کاوش اور تحقیق کا اہم عمل دخل رہا جس پر ہم انکے بے حد شکر گزار ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ اسی طرح اپنی توانائیاں اس جدوجہد کیلئے صرف کرتے ہوئے نوجوانوں کی درست رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پچاس سالہ جدوجہد اور اس خطہ کے مجبور و محکوم عوام اور نوجوانوں کی حقیقی آزادی اور طبقات سے پاک سماج کے قیام کیلئے جدوجہد کے طریقہ کار پر مشتمل جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں اور کابینہ کی کاوش ہم نوجوانوں کے سپرد کرتے ہوئے اس توقع کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ جدوجہد کے اس سفر میں جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ہمسفر بنتے ہوئے اس خطہ سے ظلم، جبر، غلامی، فرسودگی، جہالت، دہشت گردی، قومی محرومی، طبقاتی استحصال اور سرمایہ داری کیخلاف فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں اپنا اہم کردار ادا کریں گے۔

بشارت علی خان
مرکزی صدر جے کے این ایس ایف
راولاکوٹ، 18 ستمبر 2016ء

عالمی سیاسی ومعاشی پس منظر

آج کرہ ارض پر نسل انسان شاید تاریخ کے سب سے غیر معمولی، پر پیچ، پیچیدہ اور متضاد نوعیت کے حامل عہد میں سے گزر رہی ہے۔اس عہد کی بنیادی خاصیت غیر معمولی واقعات کا ایک تسلسل ہے جو درحقیقت سرمایہ داری کی تاریخی متروکیت اور نامیاتی زوال پذیری کا ناگزیر نتیجہ ہے۔2008ء میں امریکہ سے شروع ہوکر دنیا بھر میں پھیل جانے والے معاشی بحران نے وہ نسبتاً مستحکم معاشی بنیاد ہلا کے رکھ دی ہے جس پر کئی دہائیوں سے سرمایہ دارانہ سیاست، سفارت اور سماج بظاہر کسی بڑی تبدیلی کے بغیر قائم تھے۔نتیجتاً مسلسل انتشار، عدم استحکام اور ہلچل ہے جس کے نتائج متضاد نوعیت کے ہیں۔امریکی سامراج کی داخلی کمزوری اور عالمی وعلاقائی سامراجی قوتوں کے آپسی تضادات نے کئی خطوں مثلاً مشرق وسطیٰ اور افغانستان میں صورتحال کو اور بھی الجھا دیا ہے۔انقلابی تحریکوں یا عوامل کے ساتھ رجعتی خونریزی، خانہ جنگیوں، جنگوں، عفریت کی طرح پھیلتی دہشت گردی، ریاستی جبر اور دوسرے رجعتی پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔موجودہ عہد نہ تو 1960ء کی دہائی کی طرح دنیا بھر میں انقلابی تحریکوں اور انقلابات کا عہد ہے اور نہ ہی 1980ء اور 1990ء میں بالخصوص چین میں سرمایہ داری کی بحالی اور سوویت یونین کے انہدام کے نتیجے میں جنم لینے والے ردانقلابی عوامل اور وسیع پیمانے پر حاوی مایوسی اور رجعت کا دور ہے۔البتہ اس میں جمود کے ادوار آتے رہتے ہیں۔عالمی سطح پر انقلاب اور ردانقلاب ہمیں صحیح معنوں میں آج ساتھ ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔سوویت انقلاب کے عظیم قائد لیون ٹراٹسکی کے الفاظ میں آج ''نسل انسان متروک سرمایہ داری کی موت کی طوالت کی اذیت سے دوچار ہے۔'' انقلابی قیادت میسر نہ آنے پر انقلابی تحریکیں پسپائی اور ردانقلاب کا شکار ہوتی نظر آتی ہیں اور ایسے میں ساتھ ہی کسی اور ملک، کسی دوسرے خطے میں نئی تحریکوں کا ابھار نظر آتا ہے۔اپنی

خواہشات کے تابع ''تناظر'' دماغ میں تخلیق کر کے اسے معروض پر مسلط کرنے والے خود ساختہ انقلابیوں کے برعکس یہ کوئی یکسر انقلابی عہد نہیں ہے، دوسری طرف یہ یکسر ردانقلابی اور رجعتی عہد بھی نہیں ہے۔ عالمی انقلاب کی پیش قدمی اور پسپائی کی کشمکش مسلسل جاری وساری ہے جس کی سب سے بنیادی وجہ تحریکوں کو انقلابی قیادت کا میسر نہ آنا ہے۔ایک بات بہرحال واضح ہے کہ 2008ء سے پہلے کا معمول ٹوٹ چکا ہے اور دنیا تیز اور بڑی تبدیلیوں کے دور میں داخل ہو چکی ہے جس کا دورانیہ اور نتائج خود سرمایہ داری کی طوالت، کیفیت اور انقلابی مارکسزم کی قوتوں کی بڑھوتری کے ساتھ مشروط ہیں۔

2011ء کے عرب انقلاب، یورپ میں بڑی تحریکیں اور 'آکوپائی وال سٹریٹ' تحریک دنیا کو ہلا دینے والے واقعات تھے۔ پورا مشرق وسطیٰ انقلابات کی لپیٹ میں تھا اور سامراج کی کوکھ سے اٹھنے والا 'آکوپائی' کا نعرہ بھی پوری دنیا میں مقبول ہوا۔ یہ سب کچھ 2008ء کے معاشی بحران کا عالمی سطح پر پہلا بڑا سیاسی اظہار تھا جس نے پوری دنیا میں اثرات مرتب کئے اور انقلابات کو قصہ ماضی قرار دے کر تاریخ کے خاتمے کا اعلان کرنے والے سامراجی دانشوروں کے نام نہاد مقالے (Thesis) کو تاریخ کے کوڑادان میں پھینک دیا۔عرب انقلاب کا آغاز تیونس سے ہوا جہاں بن علی کی 24 سال پر مبنی آمریت کا دھڑن تختہ عوام نے کر دیا لیکن مصر اس انقلاب کا حوالہ بن گیا جہاں پہلے حسنی مبارک اور پھر مورسی کی حکومتوں کا خاتمہ عوام کی سرکش تحریک نے کیا۔اسرائیل، بحرین، سعودی عرب، عراق، مراکش، یمن، شام غرضیکہ مشرق وسطیٰ اور نواحی خطوں میں اس انقلابی زلزلے کے جھٹکے چھوٹے یا بڑے پیمانے پر ہر جگہ محسوس کئے گئے۔لیکن آج پورا مشرق وسطیٰ ردانقلابات، خانہ جنگی اور انتشار کی لپیٹ میں ہے۔تیونس میں عوام کی زندگیوں میں کچھ تبدیل نہیں ہو پایا، مصر میں جنرل السیسی کی آمریت ایک بار پھر بدترین جبر کا بازار گرم کئے ہوئے ہے، شام کی فرقہ وارانہ خانہ جنگی میں ڈھائی لاکھ سے زائد بے گناہ لقمہ اجل بن چکے ہیں، عراق ٹوٹ پھوٹ کر سلگ رہا ہے، یمن کو سعودی جارحیت اور خانہ جنگی جلا رہی ہے۔مہاجرین کے بحران اور دہشت گردی کی پے در پے کاروائیوں نے اس انتشار کو یورپ کے اندر تک پہنچا دیا

ہے۔نسل انسان کے سامنے ''سوشلزم یا بربریت'' کا جو تناظر، سوال یا چیلنج فریڈرک اینگلز نے آج سے سو سال سے بھی پہلے رکھا تھا اس کی سچائی پہلی اور دوسری عالمی جنگ کی نسبت آج کہیں زیادہ واضح ہے۔جس طرح عرب انقلاب کی اٹھان کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے تھے بالکل اسی طرح ردانقلاب کے عالمگیر اثرات سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔لیکن طبقاتی جدوجہد ختم ہوئی ہے نہ مٹ سکتی ہے، سرمایہ داری کا بحران جتنا گہرا ہے اس کے پیش نظر مشرق وسطیٰ میں انقلاب کی ایک نئی اٹھان کو شاید اب کی بار پانچ دہائیوں کا وقت درکار نہیں ہوگا۔

یورپ بالخصوص گزشتہ پانچ سال سے مسلسل تحریکوں کی لپیٹ میں ہے۔سائریزا کی اصلاح پسند قیادت کی کھلی غداری کے پیش نظر تحریک وقتی طور پر پسپا ضرور ہوئی ہے لیکن یونان کا بحران شدت ہی اختیار کر رہا ہے اور موجودہ کیفیت زیادہ عرصے تک جاری نہیں رہ سکتی۔حالیہ عرصے میں مزدور دشمن اصلاحات کے خلاف فرانس پر تشدد مظاہروں اور ہڑتالوں کی لپیٹ میں رہا ہے، ہولاندے حکومت نے جبر اور پارلیمانی چالبازیوں سے قانون پاس تو کروالیا ہے لیکن اس سے محنت کشوں کی نفرت اور غم و غصے میں اضافہ ہی ہوا ہے جو آنے والے وقت میں ناگزیر طور پر اپنا اظہار کرے گا۔سپین میں پوڈیموس اور برطانیہ میں جیرمی کاربن کا ابھار، لیبر پارٹی میں ریڈیکلائزیشن اور شدت پکڑتی ہوئی طبقاتی کشمکش، ریفرنڈم میں یورپی یونین سے علیحدگی کا ووٹ بڑی پیش رفتیں ہیں۔اسی طرح امریکہ میں محنت کشوں اور نوجوانوں کی نظام سے نفرت کا برنی سینڈرز کی مقبولیت کی شکل میں اظہار وہاں معروضی صورتحال میں بڑی تبدیلی کی عکاسی کرتا ہے۔برنی سینڈرز کی ہیلری کلنٹن سے مصالحت اور اس کی حمایت کے اعلان کے بعد یہ تضادات ختم نہیں ہوں گے بلکہ عوام کی بے چینی نئی شکلوں میں اپنا اظہار کرے گی، ڈونلڈ ٹرمپ کی مقبولیت سے پتا چلتا ہے کہ متبادل کی عدم موجودگی میں یہ بے چینی کس طرح سیاسی افق کے دونوں اطراف میں اپنا اظہار کر سکتی ہے۔بحیثیت مجموعی یورپ اور امریکہ میں تیزی سے رونما ہونے والے ان واقعات اور پیش رفتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ داری کی ترقی یافتہ ترین شکلوں میں بھی اصلاح پسندی کی گنجائش ختم ہو چکی ہے، نظام کا بحران محنت کشوں پر مسلسل معاشی حملوں اور آسٹیریٹی

(معاشی کٹوتیوں) کا متقاضی ہے اور شدت پکڑتی ہوئی طبقاتی کشمکش نیا معمول ہے۔ ترکی میں حالیہ ناکام فوجی بغاوت نے ترک سماج میں پکنے والے شدید تضادات کو ایک بار پھر عیاں کیا ہے۔ کُو کی ناکامی کے بعد طیب اردگان نے وسیع پیمانے پر ریاستی جبر کا آغاز کیا ہے اور ضیا الحق کی طرز پر سماج کی اسلامائزیشن کا عمل تیز تر کر دیا ہے لیکن یہ اقدامات تضادات کو شدید تر ہی کر رہے ہیں، آنے والے دنوں میں ترک ریاست بالخصوص فوج میں مزید پھوٹ یا پھر محنت کشوں اور نوجوانوں کی جانب سے وسیع پیمانے کی طبقاتی بغاوت ہمارے لئے قطعاً حیران کن نہیں ہونی چاہئے۔

لاطینی امریکہ میں بائیں بازو کی تحریکیں یا پولسٹ قیادتوں کی اصلاح پسندانہ اور مصالحت پر مبنی روش کی وجہ سے پیچھے گئی ہیں۔ وینزویلا میں PSUV پارلیمانی انتخابات ہار گئی ہے اور اگر محنت کش طبقے کی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے سرمایہ داری پر کاری ضربیں نہیں لگائی جاتیں تو دائیں بازو کے صدارتی اقتدار میں آنے سے رد انقلاب کی راہ ہموار ہو گی۔ لیکن یہ رد انقلاب وہ تازیانہ بھی ثابت ہو سکتا ہے جو محنت کش طبقے کو ایک بار پھر تحریک میں اترنے اور انقلاب کا عمل آگے بڑھانے پر مجبور کر دے۔ کم و بیش یہی صورتحال بولیویا اور ایکواڈور میں ہے۔ برازیل میں ڈلما روزیف کے خلاف دائیں بازو کا کامیاب پارلیمانی کُو درحقیقت حکمران طبقات کے زیادہ جارحانہ حملوں کا پیش خیمہ ہے۔ تیل کی قیمتوں میں کمی اور چینی معیشت کی سست روی سے خطے کی برآمدات بری طرح متاثر ہوئی ہیں اور چند ایک کے سوا خطے کی تمام معیشتیں بحران کا شکار ہیں۔ انقلاب اور رد انقلاب کی یہ کشمکش آنے والے عرصے میں بھی اتار چڑھاؤ کے ساتھ لاطینی امریکہ میں جاری رہے گی۔

چین کی مسلسل معاشی زوال پذیری نے اسے دیوہیکل ٹائم بم بنا دیا ہے جو انقلابی دھماکے میں پھٹے گا تو پوری دنیا کو ہلا کے رکھ دے گا۔ ہندوستان میں نریندرا مودی بنیاد پرستی کی تمام تر رجعت اور وحشت کے باوجود محنت کشوں پر بڑے حملے کرنے میں ناکام نظر آتا ہے، 2 ستمبر 2015ء کی ''بھارت بند'' عام ہڑتال میں 15 کروڑ محنت کشوں کی شمولیت نے ہندوستانی پرولتاریہ کی انقلابی صلاحیت کو ثابت کیا تھا۔ 2016ء کی حالیہ عام ہڑتال اس سے بھی بڑی تھی

جس میں 18 کروڑ محنت کشوں نے حصہ لیا۔ پابندیاں اٹھنے کے بعد ایرانی معیشت اگر نمو پاتی ہے تو اس سے نہ صرف مسلسل معاشی جبر سے نڈھال ایرانی محنت کشوں کو سنبھلنے کا موقع ملے گا بلکہ معاشی نمو کے انتہائی غیر مساوی ثمرات سے سماجی تضادات پھٹ بھی سکتے ہیں۔

2008ء کے بعد یورپ اور امریکہ میں ہونے والی نام نہاد معاشی بحالی برائے نام اور ناکام ہے اور اپنی سب سے ''حوصلہ افزا'' صورتوں میں بحران سے قبل کے حالات سے بہت نیچے ہے۔ 2016ء کے اعداد و شمار ایک نئے معاشی بحران کا پتا دے رہے ہیں۔ بالخصوص برطانیہ اگلے ڈیڑھ سال کے دوران ایک گہرے معاشی بحران میں دھنس سکتا ہے۔ روس، برازیل اور جنوبی افریقہ جیسی ''ابھرتی ہوئی معیشتیں'' باقاعدہ بحران میں ہیں۔ عالمی معیشت کی سست روی کے پیش نظر تیل کی قیمتوں میں کمی نے ماضی میں بجٹ سرپلس میں رہنے والے سعودی عرب جیسے ممالک کو کئی دہائیوں میں پہلی بار کٹوتیاں کرنے، قرض لینے اور نجکاری کرنے پر مجبور کر دیا ہے جس کے دور رس سماجی اور سیاسی مضمرات ہیں۔ عالمی سرمایہ داری کے اپنے پالیسی ساز اور معیشت دان طویل عرصے تک چلنے والی معاشی سست روی (Secular Stagnation) یا بحران کا تناظر دے رہے ہیں۔ ایک بات طے ہے کہ سرمایہ داری جس نہج پر پہنچ چکی ہے وہاں قبل از بحران کی معاشی سطح پر دوبارہ نہیں پہنچ سکتی ہے۔ قرضوں کے پھیلاؤ کے جس طریقہ کار سے سرمایہ داری کو کئی دہائیوں تک چلایا جاتا رہا ہے وہ آج اس نظام کے پاؤں کی سب سے بڑی بیڑی بن چکا ہے اور عالمی معیشت قرضوں کے پہاڑ تلے دبی چلی جا رہی ہے۔ تاریخ نے سیاسی اور سماجی استحکام قائم کرنے کی صلاحیت اس نظام سے چھین لی ہے۔ اس عہد کی ایک بنیادی خاصیت یہ بھی ہے ایک تحریک سے پسپا ہونے کے بعد زیادہ لمبے عرصے تک رد انقلاب کے حملے برداشت کرنے کی گنجائش بھی محنت کشوں کے پاس بہت محدود ہے۔ حالات زندگی جس قدر تلخ اور سرمایہ داری کے معاشی حملے جس قدر سخت ہیں اس کے پیش نظر انقلابی تحریکوں کے مابین وقفہ دہائیوں سے سالوں تک سکڑ گیا ہے۔

انقلابی نظریئے کے طور پر مارکس اور اینگلز کی زندگیوں میں مارکسزم اور پہلی انٹرنیشنل پیرس

کمیون کی خونی شکست کے بعد وسیع عوامی قوت (Mass Force) نہیں بن پائے۔ بیسویں صدی کے آغاز سے لے کر دوسری عالمی جنگ تک دوسری اور تیسری انٹرنیشنل کی سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں کی شکل میں ہی مارکسزم کو وسیع عوامی بنیادیں میسر آئیں۔ دوسری انٹرنیشنل مصالحت اور اصلاح پسندی جبکہ تیسری انٹرنیشنل سٹالنزم کے نظریاتی انحراف میں غرق ہو کر بکھر گئی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد سرمایہ داری کی تاریخ کے سب سے بڑے معاشی عروج میں ترقی یافتہ ممالک میں اصلاح پسندی کو مادی بنیادیں میسر آئیں اور مارکسزم کی قوتیں انتہائی محدود ہو گئیں۔ اس عہد میں تیسری دنیا اور سابق نوآبادیاتی ممالک میں انقلابات کا طویل سلسلہ ہمیں نظر آتا ہے اور پرولتاری بونا پارٹ ازم کا مظہر اس کی اہم خاصیت تھی جس نے چین اور ویت نام سے لے کر افریقہ، مشرق وسطیٰ اور کیوبا تک مختلف شکلوں میں سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ کیا اور ماسکو یا بیجنگ کی طرز پر سٹالنسٹ اقتدار قائم ہوئے، سوشلزم کی مسخ شدہ شکل ہونے کے باوجود یہ ترقی پسند اقدامات تھے لیکن زمان و مکان میں ان کی محدودیت ناگزیر تھی۔ چین میں سرمایہ داری کی بحالی اور سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں سٹالنسٹ ریاستوں کے انہدام نے سٹالنزم کی تاریخی متروکیت کا اعلان کر دیا لیکن سرمایہ داروں نے پوری دنیا میں 'سوشلزم' کی موت کا اعلان کیا۔ بالخصوص 1990ء کے بعد کا عرصہ انقلابی مارکسزم کی قوتوں کے لئے انتہائی کٹھن اور دشوار تھا۔ مزدور تحریک بہت پیچھے چلی گئی اور نظریات کو تقریباً ہر جگہ عملاً 'پچھلی نشستوں' پر دھکیل دیا گیا۔ لیکن اس نظام کے رکھوالوں کی خواہشات کے برعکس ''تاریخ کا خاتمہ'' نہیں ہو پایا اور آج عالمی سرمایہ داری ایک ایسے گہرے اور طویل معاشی بحران میں دھنس چکی ہے جس کا موازنہ 1929ء سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ داری پر آج عملی اور نظریاتی طور پر پوری دنیا میں سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ موجودہ عہد میں تمام تر انتشار اور متضاد نوعیت کی پیش رفتوں کے باوجود معروضی حالات پک کر تیار ہو رہے ہیں جن میں آنے والے عرصے میں مارکسی قوتیں تیزی سے نمو پا سکتی ہے۔ سماج ایک ایسی بھٹی میں تبدیل ہو چکا ہے جس میں ماضی پگھل رہا ہے اور مستقبل تعمیر ہو رہا ہے۔ سٹالنزم اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ اصلاح پسندی آج تاریخی طور پر متروک ہو چکی ہے

اور ایک کے بعد دوسری جگہ پر محنت کش اسے مسترد کر رہے ہیں۔اس عمل کا اظہار روایتی پارٹیوں کے اندر اور باہر، دونوں طریقوں سے ہو رہا ہے۔ یورپ میں سائریزا سے لے کر پوڈیموس اور جیرمی کاربن تک، ریڈیکل بائیں بازو کے نئے رجحانات کا ابھار اور امریکہ میں خود کو سوشلسٹ قرار دینے والے برنی سینڈرز کی مقبولیت (کچھ سال پہلے تک امریکی سیاست میں ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا) اس سمت کا پتا دیتی ہے جس طرف ان ممالک کی سیاست گامزن ہے۔لیکن بحران اتنا شدید ہے کہ اصلاح پسندی اپنی انتہائی ریڈیکل اشکال میں بھی نامراد ہے جیسا کہ یونان میں سائریزا کی مثال نے ثابت کیا ہے۔ایسے میں حالات اور واقعات محنت کش طبقے کو پہلے سے زیادہ ریڈیکل نتائج اخذ کرنے پر مجبور کریں گے اور انقلابی سوشلزم اور مارکسزم کے نظریات کے لئے زرخیز زمین میسر آ پائے گی۔ عالمی طور پر حقیقی مارکسزم کے نظریات سے لیس قیادت کی دستیابی اس کرہ ارض پر انسانیت کے حسین مستقبل کی تعمیر کا موجب بن سکتی ہے۔

انقلابی نظریات اور طبقاتی جدوجہد

طبقاتی معاشرے میں عام حالات میں غالب خیالات حکمران طبقے کے ہوتے ہیں جنہیں وہ ذرائع ابلاغ، نصاب، مذہبی پیشواؤں اور دیگر ذرائع سے سماج پر مسلط کرتے ہیں تاکہ محکوم طبقے کو غلامی میں مبتلا کر کہ ان کا استحصال جاری رکھا جائے۔ حکمران طبقہ محکوم عوام کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتا ہے کہ انسانی معاشرہ اور حالات ہمیشہ ایسے ہی تھے، ایسے رہیں گے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ غربت، جہالت، بیرزگاری، محرومی، مجبوری انسان کا مقدر ہے اور تقدیر بدل نہیں سکتی۔ نجی ملکیت اور طبقات کی موجودگی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی، یہ نظام قدرت ہے کہ کچھ لوگ مرعات یافتہ ہوتے ہیں، کچھ کے نصیب میں محرومیاں اور مجبوریاں ہوتی ہیں۔ یہ دنیا آج جیسی ہمیں نظر آرہی ہے ہمیشہ ایسی ہی تھی، ہم جس نظام میں رہ رہے ہیں وہ ہمیشہ قائم رہے گا، لیکن حکمران طبقے کے طبقاتی مفادات اور خواہشات کے لئے فطرت کے قوانین تبدیل نہیں ہوسکتے۔ فطرت کے قوانین کے تحت ہر شے، ہر لمحہ مسلسل حرکت، تغیر، تبدیلی اور ارتقا کے عمل سے گزر رہی ہے، آج جس حالت میں چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں یہ کسی فرد واحد یا چند افراد کی ذہانت اور صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہاں تک پہنچنے کے لئے تمام انسانوں کی لاکھوں سال کی مشترکہ محنت اور جدوجہد شامل ہے۔ انسان نے جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے سے لے کر موجودہ عہد تک تاریخ کا لمبا سفر طے کیا ہے۔ اس کٹھن سفر میں انسان کی فطرت کی بے قابو قوتوں کے خلاف جدوجہد سے لے کر دیگر رکاوٹوں کو عبور کرنے کی لازوال جدوجہد ہے۔ ہر دور کے حکمران طبقہ کی یہ خواہش رہی ہے کہ ان کا نظام جس پر وہ حکمرانی کر رہے ہیں ہمیشہ قائم رہے۔ یہی خواہش ہمیں موجودہ سرمایہ دارانہ حکمران طبقہ کی نظر آتی ہے جو اپنے زرخرید دانشوروں کے ذریعے تاریخ کے خاتمے جیسی بے ہودہ تھیوریاں پیش کرتے ہوئے نظر آتا ہے لیکن حکمران طبقہ کی

خواہش سے تاریخ کا پہیہ نہیں رک سکتا۔ وہ مسلسل تغیر وتبدیلی کے ذریعے آگے کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے جب بھی کوئی سماجی، سیاسی اور معاشی نظام انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنا اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہا تو انسانوں نے اس کے خلاف ہمیشہ بغاوت کی ہے۔ حکمران طبقے کی تاریخ کے خاتمہ کی خواہش ہمیشہ خواہش ہی رہی اور رہے گی۔ یہ خواہش اتنی احمقانہ ہے جیسے کوئی موت کے خوف سے اس کے خاتمے کا اعلان کردے۔ جیسے زندگی کی خواہش کے باوجود جب کسی جاندار کی طبعی عمر پوری ہو جائے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح کوئی بھی سماج اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ مسلسل ذرائع پیداوار کو ترقی دیتا رہتا ہے۔ جب وہ ذرائع پیداوار کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے تو اس نظام کی طبعی عمر پوری ہو جاتی ہے۔ تاریخی طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ سماج میں بسنے والے انسان پرانے متروک سماجی ڈھانچے کو انقلاب کے ذریعے اکھاڑ پھینکتے ہیں اور اسکے بطن سے نئے سماجی نظام کی بنیاد ڈالی جاتی رہی ہے۔ فطرت کا قانون ہے کہ جو شے پیدا ہوتی ہے اسے لازمی طور پر اپنی طبعی عمر پوری کرتے ہوئے ایک نئی حالت میں اپنا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ طبقاتی معاشرہ بھی انسانی تاریخی ارتقاء کے خاص مرحلے کی پیداوار ہے جسے لازمی طور پر مٹ جانا ہے، ہزاروں سالوں کی جدوجہد اور محنت کے بعد آج انسان نے وہ صلاحیت حاصل کر لی ہے جس کی بنیاد پر کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کی تمام ضروریات کی تکمیل کی جاسکتی ہے اور طبقات سے پاک معاشرے کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ آج انسان نے سائنس وتکنیک میں بے پناہ ترقی کے ذریعے صنعت اور ذرائع پیداوار کو اتنا جدید کر دیا ہے کہ اگر اسے انسانوں کی فلاح کے لئے استعمال کیا جائے تو تمام تر مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن نجی ملکیت کی وجہ سے تمام وسائل پر ایک فیصد طبقہ کا قبضہ ہے جس کی وجہ سے عوام کی اکثریت غربت، بیماری، لاچارگی اور محرومیوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

اس وقت دنیا کی آبادی تقریباً سات ارب ہے اور پیداواری صلاحیت اتنی ہے کہ دس ارب انسانوں کے لئے غذا پیدا کی جاسکتی ہے۔ دوسری طرف 80 لاکھ انسان ہر سال صرف بھوک کی

وجہ سے مرجاتے ہیں، سرمایہ دار حکمران طبقہ منڈی میں قیمتیں برقرار رکھنے کے لئے اور مطلوبہ منافع کے حصول کے لئے بڑے پیمانے پر خوراک اور دیگر اشیاء کو تباہ کرتا ہے اور ذرائع پیداوار کو منظم طریقے سے برباد کیا جاتا ہے۔ سائنس کی دریافتوں کو تباہکاریوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کی لاکھوں سالوں کی محنت کے نتیجے میں ہونے والی ذرائع پیداوار کی ترقی اور جدت کو اقلیتی طبقہ کے منافعوں کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ منافع کی ہوس پر مبنی نظام نے انسانوں سے انسانیت چھین لی ہے۔ تمام انسانی اقدار کو ختم کر دیا گیا ہے، ہر شے کو بکاؤ مال بنا دیا گیا ہے، تمام بنیادی انسانی ضرورتوں پر بیوپار ہوتا ہے، بیمار کے لئے علاج بکتا ہے، جہالت کے خاتمے کے لئے تعلیم بکتی ہے، مظلوم کے لئے انصاف بکتا ہے۔ غرضیکہ سب کچھ بکاؤ ہے۔ سرمائے کی نہ ختم ہونے والی ہوس نے آج امارت اور غربت کی جو خلیج پیدا کی ہے اسکی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ محض 60 افراد کی دولت تین ارب انسانوں کی مجموعی دولت سے زیادہ ہے، چند ملٹی نیشنل کمپنیاں ساری دنیا کے انسانوں کے مقدر کے فیصلے کرتی ہیں، تمام ممالک ان کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی پالیسیاں بناتے ہیں۔ حکمران طبقہ کی یہ دلیل کہ ''طبقات اور غربت و امارت کی خلیج ہمیشہ سے موجود ہے'' جھوٹ اور جہالت پر مبنی ہے۔ حقیقت میں انسانی تاریخ کا 99 فیصد حصہ ایسے سماج پر مشتمل رہا ہے جس میں طبقات کا وجود تک نہیں تھا، عورتوں سمیت تمام لوگ برابر تھے۔ طبقات کے وجود سے عاری اس معاشرے کا کردار انتہائی جمہوری تھا۔ تمام اہم مسائل کے حل کیلئے عام اسمبلی کے انعقاد میں ہر کوئی حصہ لیتا تھا۔ قبائلی سرداروں کو مخصوص مقاصد کے لئے منتخب کیا جاتا تھا جنہیں کسی بھی وقت واپس بلایا جا سکتا تھا۔ اس نظام میں انسانوں کو محکوم بنائے رکھنے کی کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ ذاتی ملکیت، طبقات، مراعات یافتہ لوگوں، پولیس، اشرافیہ، بادشاہوں، درباریوں، ججوں، جیل خانوں یا کسی خصوصی آلہ جبر یعنی ریاست کا وجود تک نہیں تھا پھر بھی معاملات نہایت خوش اصلوبی سے چلتے تھے۔ سولہویں صدی تک مقامی امریکی قدیم اشتراکی عہد میں رہ رہے تھے۔ برطانوی سامراج نے قبضہ کر کہ وہاں سرمایہ داری متعارف کروائی اور ان کے پرانے طرز زندگی کو تباہ کیا گیا، انکی مشترکہ زمینوں کو چھین کر انکو

ذلت کی گہرائیوں میں دھکیل دیا گیا۔ مقامی امریکی باشندے نجی ملکیت سے مکمل طور پر نا آشنا تھے۔ ماہر تاریخ پیکے ویلڈر لکھتا ہے ''مقامی امریکی باشندے سمجھتے ہیں کہ عظیم روح نے زمین اور اس میں موجود ہر شے کو بنی نوع انسانوں کی اجتماعی بھلائی کے لئے بنایا ہے۔ جب اس نے بہت سے شکار کئے جانے والے جانوروں سے زمین کو پر کیا تو یہ چند لوگوں کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ سب کے فائدے کے لئے تھا۔ انسان کے بچوں کو سب کچھ مشترکہ طور پر دیا گیا ہے۔ زمین پر موجود ذی روح، زمین سے اگنے والی ہر شے، دریاؤں اور جھیلوں میں موجود ہر شے سب کو مشترکہ طور پر دی گئی ہے اور ہر کوئی اس میں اپنے حصے کا حقدار ہے۔''

ذرائع پیداوار کے ارتقا کی وجہ سے آزادی اور مساوات پر مبنی نظام کی جگہ طبقاتی جبر نے لے لی اور طبقاتی سماج کے قیام کے ساتھ ہی حکمران طبقے کے مفادات کے حصول کے لئے خصوصی ادارے تخلیق کئے گئے۔ مسلح لوگوں پر مشتمل خصوصی جتھے، جیلیں، عدالتیں اس کے علاوہ نجی ملکیت کی حفاظت کے لئے خصوصی قوانین بنائے گئے یوں جبر کے آلے کے طور پر ریاست کا وجود عمل میں آیا۔ طبقاتی جبر کا جو سلسلہ غلام داری میں شروع ہوا تھا آج تک جاری ہے، غلامی کی شکلیں بدلی، طبقاتی نظام کی ہیت میں تبدیلی آئی (غلام داری، جاگیرداری اور آج سرمایہ داری کی شکل میں) لیکن طبقاتی جبر ہر دور میں موجود رہا ہے اور اس جبر کے خلاف محکوم طبقے کی بغاوتیں بھی ہر عہد میں موجود رہی ہیں۔ قدیم اشتراکی عہد ہزاروں سال پہلے ختم ہو گیا لیکن اس کی یادیں ہر دور کے انسان کے لاشعور میں موجود رہی ہیں۔ جن کا اظہار انفرادی اور اجتماعی طور پر مختلف مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں نظر آتا ہے، ہمیں سپارٹا کے غلاموں کی بغاوت نظر آتی ہے، اسی طرح غلامی کے خلاف انقلابی عیسائی تحریک (پروٹسٹنٹ) کا ظہور ہوتے ہوئے نظر آتا ہے۔ جو حکمرانوں اور امیروں سے سخت نفرت کرتے تھے اسکے بعد جاگیرداری کے زوال کے دوران ابھرنے والی تحریکوں میں جو لفظ سب سے زیادہ استعمال کیا گیا وہ ''آزادی'' تھا۔ لاکھوں محکوموں اور نوجوانوں کے لئے آزادی کا مطلب جاگیردارانہ استحصال اور طبقاتی جبر سے آزادی تھا لیکن جاگیرداری کے خاتمے کے بعد طبقاتی تضادات اور محرومیوں کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ یہ تضادات سرمایہ دارانہ نظام میں

زیادہ واضح انداز میں سامنے آ گئے۔

سرمایہ دارانہ انقلاب کے بعد طبقاتی جدوجہد کے نئے باب کا آغاز ہوا، حکمران طبقات کو ابتدا سے ہی محنت کشوں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ساتھ ہی سماج میں اشتراکی خیالات تشکیل پانا شروع ہو گئے جو یوٹوپیائی (خیالی) سوشلزم کی شکل میں سامنے آئے۔ اشتراکیت پسندوں نے سرمایہ دارانہ جبر اور ناانصافیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس وقت کے ایک اشتراکیت پسند اوبرین نے کہا تھا کہ ''انسانی ترقی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ دنیا کے امیر طبقے کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ غریب کو نہ ابھرنے دیا جائے اور کیسے نہ ہو؟ غریب کی غربت سے ہی تو امیر کی امارت پیدا ہوتی ہے، امیر طبقہ اپنے رویے کو کتنا ہی اخلاقی ثابت کرنا چاہے لیکن یہ حقیقت کبھی نہیں چھپ سکتی کہ امیر طبقہ غریب کو برابر لوٹ رہا ہے۔ دنیا کی تمام توہمات کی جڑ میں یہی راز ہے کہ توہمات پھیلا کر امیر، غریب کو ہمیشہ کے لئے غریب رکھنا چاہتا ہے۔ انسان کی یہ خواہش کہ وہ دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھائے انسانیت کا بنیادی گناہ ہے سب گناہ اسی واحد گناہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وہ گناہ ہے جس نے دنیا میں نفاق اور فساد پھیلا رکھا ہے اور انسانی تاریخ کو ظلم وستم کی داستان بنا رکھا ہے۔'' اشتراکیت پسندوں نے بڑی ذہانت کے ساتھ حکمران طبقہ کے استحصال کے طریقوں کی وضاحت کی اور ماہرین اقتصادیات کے منافقانہ کردار کو بے نقاب کیا لیکن محکوم طبقہ کی نجات کیلئے تاریخی طور پر پیدا ہونے والے حالات کی جگہ خیالی منصوبے بنا کر حکمران طبقے کو اشتراکیت اور انسان دوست سماج کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ حکمران طبقے سے اپیل کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ انکے نظام کو سمجھ لینے کو بعد کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ تاریخی حقیقت کی ناسمجھی کی وجہ سے انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ گواہ ہے کہ حکمران طبقے نے ہمیشہ جبر کے ذریعے اپنے مفادات اور مراعات کا تحفظ کیا ہے۔

کارل مارکس نے پہلی مرتبہ سائنسی سوشلزم کی بنیاد رکھی۔ مارکس نے جدلیاتی طریقہ کار استعمال کرتے ہوئے انسانی سماج کا تجزیہ کیا جس میں تاریخی ارتقاء کے بنیادی عوامل کو آشکار کرتے ہوئے مختلف معاشی، سماجی نظاموں کے ظہور، فروغ اور زوال کی وضاحت کی۔ مارکس

نے وضاحت کی کہ ''سماجی پیداوار کے عمل کے دوران افراد ایسے مخصوص رشتوں میں بندھ جاتے ہیں جو ناگزیر ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے ارادوں کے تابع نہیں ہوتے، یہ پیداواری رشتے پیداواری قوتوں کی ترقی کی مخصوص سطح سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ یہی وہ حقیقی بنیاد ہے جس پر حکومتی، قانونی اور سیاسی بالائی ڈھانچے تعمیر ہوتے ہیں۔ اور سماجی شعور کی مخصوص اقسام اسی سے مطابقت رکھتی ہیں۔ ارتقاء کے مخصوص مرحلے پر یہ پیداواری رشتے سماج کی پیداواری قوتوں کے ارتقاء کی بجائے ان کے راستے کی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اسکے بعد انقلاب کا دور شروع ہوتا ہے''۔ جب بھی کسی معاشرے میں موجود ذرائع پیداور اپنے ارتقاء اور تغیر کے عمل میں اس حد تک پھیل جائیں کہ رائج سماج کے ڈھانچے اسکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں تو سماج میں گھٹن پیدا ہوجاتی ہے جو انقلاب کی شکل میں اپنا اظہار کرتی ہے اور انقلاب رائج سماج کے معاشی، معاشرتی اور ریاستی ڈھانچوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ پھر ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ معاشی تبدیلی سے بالائی ڈھانچے بھی تبدیل ہو جاتے ہیں، ریاست، سیاست، معیشت یہاں تک کے تاریخ کے ارتقاء کا رخ بدل جاتا ہے۔ معاشرے کے اخلاقی، نفسیاتی اور سماجی احساس بدل جاتے ہیں۔

انسان اپنی پیداوری سرگرمیوں کے دوران جن ادوار سے گزرا ہے۔ ان میں قدیم اشتراکی عہد میں پیداواری رشتے مشترکہ پیداوار کی بنیاد پر استوار تھے، جو غلام داری عہد میں طبقاتی جبر کی وجہ سے آقا اور غلام کی صورت میں قائم ہوئے اور موجودہ عہد میں اجرتی مزدور اور سرمایہ دار کی شکل میں موجود ہیں۔ طبقاتی غلامی کا آغاز ذرائع پیداور کی نجی ملکیت سے ہوا (درحقیقت طبقاتی غلامی ذرائع پیداور کی نجی ملکیت پر قائم ہونے والے پیداوری رشتوں کی طبقاتی حیثیت سے جنم لینے والی معاشی غلامی ہے) جس کو معاشی نظام میں اشتراکی تبدیلی کئے بغیر ختم نہیں کیا جاسکتا۔ عالمی سطح پر اشتراکی طریقہ پیداوار اختیار کر کے ہی ہزاروں سالوں سے جاری طبقاتی غلامی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ اور ایسے سماج کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے جس میں طبقوں کا فرق مٹ جائے۔ آج محکوم طبقے کے پاس بقاء کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ نجی ملکیت کا خاتمہ کرتے ہوئے اشتراکی طریقہ پیداوار اختیار کر لے۔ قدیم اشتراکی عہد کے ٹوٹنے کے بعد انسان کی ساری تاریخ

طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے، استحصال کرنے والوں اور استحصال کے شکار لوگوں، حکمرانوں اور محکوم طبقات کے درمیان کشمکش کی تاریخ ہے اور یہ جدوجہد تاریخی ارتقاء کے کئی مراحل طے کر کے آج اس منزل پر پہنچی ہے کہ استحصال کا شکار مجبور محنت کش طبقہ استحصال کرنے والے جابر سرمایہ دار طبقے سے اس وقت تک نجات نہیں پا سکتا جب تک اپنے ساتھ پورے سماج کو ہمیشہ کے لیے ہر قسم کے جبر، استحصال اور طبقاتی امتیاز سے چھٹکارا نہ دلا دے۔ جیسا کہ کارل مارکس نے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں کہا'' پہلے کے تمام طبقوں نے جب کبھی غلبہ پایا تو اپنے حاصل کئے ہوئے رتبے کو پائیدار بنانے کے لئے پورے سماج کو اپنے نظام کے تصرف میں کر دینا چاہا۔ محنت کش طبقہ سماج کی پیداواری قوتوں کا اس وقت تک مالک نہیں بن سکتا جب تک وہ ان پر اپنے سابقہ طریقہ تصرف کو ختم کرنے کے ساتھ دیگر طبقات کے بھی سابقہ تصرف کو ختم نہ کر دے۔ اس کا اپنا کچھ نہیں ہے (کوئی ملکیت نہیں ہے) جسے وہ قائم رکھنا چاہتا ہو جس کی حفاظت کرنی ہو۔ اس کا منصب نجی ملکیت کے جملہ سابقہ تحفظات اور ضمانتوں کو مٹا دینا ہے۔'' مارکس نے وضاحت کی تھی کہ سرمایہ داری میں پیداواریت کا مقصد ذاتی منافع کا حصول ہے جس کی وجہ سے دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہوگا۔ دولت کو پیداواری قوتوں کو ترقی دینے کے لئے استعمال کرے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ سرمایہ قومی منڈی کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے عالمگیریت کی شکل اختیار کر لے گا۔ جس کی وجہ سے ایک آزادانہ مقابلہ بازی کا ظہور ہوگا جو سائنس اور تکنیک میں مزید ترقی کا باعث بنے گا اور پیداواری قوتوں کو اس نہج پر لے جائے گا کہ جب سرمایہ داری خود پیداواری قوتوں کو مزید ترقی دینے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ ایسا وقت آئے گا کہ سرمایہ داری میں مزید ترقی کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ آبادی کا اکثریتی حصہ غربت اور محرومی میں جینے پر مجبور ہوگا، جس کی بنیاد ہی زائد پیداواریت کا بحران ہوگا تب سرمایہ داری ناقابل حل تضادات میں پھنس کر رہ جائے گی۔ جس طرح مارکس نے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں لکھا تھا'' جدید سرمایہ دارانہ سماج نے گویا جادو کے زور سے پیداوار اور تبادلے کے عظیم الشان وسیلے کھڑے کر لئے ہیں مگر پیداوار، تبادلہ اور ملکیت کے اپنے رشتوں سمیت اس سماج کی حالت اس شعبدہ گر کی سی ہے کہ جس نے اپنے جادو سے شیطانی

طاقتوں کو جگا تو لیا ہے مگر اب قابو نہیں رکھ سکتا۔''

نہ صرف مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام میں زائد پیداواریت کے بحران کا تناظر دیا تھا بلکہ یہ وضاحت بھی کی کہ جب سرمایہ دارانہ نظام عالمگیر بحران کی کیفیت اختیار کرے گا تو اس کے اثرات طبقاتی کشمکش کو تیز کریں گے اور محنت کش طبقہ بغاوت کے ذریعے سرمایہ داری کا خاتمہ کرتے ہوئے طبقات سے پاک معاشرے کے قیام کی طرف بڑھے گا۔ جیسا کہ کمیونسٹ مینی فیسٹو میں مارکس وضاحت کرتا ہے ''جدید مزدور صنعت کے فروغ کے ساتھ اوپر اٹھنے کے بجائے اپنے طبقے کے موجودہ معیار سے بھی گرتا جا رہا ہے، وہ غریب ہوتا جا رہا ہے اور اس کی غربت آبادی اور دولت کی نسبت زیادہ تیزی سے بڑھتی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حکمران طبقہ اس قابل نہیں رہا کہ سماج پر حکمرانی کر سکے اپنے طبقے کے حالات کو ہمہ گیر قانون کا درجہ دے کر پورے سماج پر مسلط کر سکے۔ وہ حکومت کرنے کے اہل نہیں، وہ اپنے غلاموں کو اپنی غلامی میں بھی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا، وہ انہیں اس قدر نیچے گرانے سے نہیں بچا سکتا کیونکہ اسے انکو خود کھلانا پڑ رہا ہے بجائے اس کے کہ ان سے خوراک حاصل کرے۔ اب سماج حکمران طبقے کے تحت نہیں رہ سکتا، دوسرے لفظوں میں اب اس کے وجود کی سماج کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رہی۔''

مارکس نے نہ صرف سرمایہ دارانہ نظام کے مستقبل کا تناظر دیا تھا بلکہ اس کے خلاف محنت کش طبقے کے انقلاب کے لئے طویل عملی جدوجہد بھی کی اور محنت کشوں کی عالمی تنظیم کی بنیاد رکھی کیونکہ عالمی سرمایہ داری کو محنت کش طبقے کے اتحاد کے ذریعے ہی ختم کیا جا سکتا ہے اور اشتراکی معاشرہ تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ مارکس نے ''دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ'' کا نعرہ دیا، جس کی بنیادی وجہ سرمایہ دارانہ استحصال اور جبر کا تمام ملکوں میں موجود ہونا تھا۔ ایک ملک کے محنت کشوں کے مفادات وہی ہیں جو دوسرے ملکوں کے محنت کشوں کے مفادات ہیں اس لئے ان مفادات کے لئے لڑائی بھی مشترکہ طور پر ہی لڑی جا سکتی ہے۔ 1840ء میں کمیونسٹ لیگ کا قیام ہوا۔ جس میں مارکس اور اینگلز نے شمولیت اختیار کی۔ 1848ء میں کمیونسٹ مینی فیسٹو کی اشاعت نے کمیونسٹ لیگ کو وہ نظریاتی بنیاد فراہم کی جس پر آگے چل کر پہلی انٹرنیشنل کا قیام عمل میں آیا

۔28 ستمبر 1864ء کو مختلف ممالک کے مندوبین لندن کے سینٹ مارٹنز حال میں جمع ہوئے اور اتفاق رائے سے پہلی انٹرنیشنل (انٹرنیشنل ورکمین ایسوسی ایشن) کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ انٹرنیشنل نے اپنے قیام کے ساتھ ہی محنت کش طبقے کے لیے جدوجہد کا پرچم بلند کیا اور محنت کش طبقے کے حالات کی بہتری کے لیے لڑائی کا آغاز کیا۔ وہ مزدور تحریک کی عملی سرگرمیوں میں شریک ہوتے تھے۔ جس نے محنت کش طبقے پر یہ اثر چھوڑا کہ انٹرنیشنل محنت کش طبقے کے تحفظ کی خاطر لڑتی ہے۔ انٹرنیشنل نے ٹریڈ یونینوں کی کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ شیفلڈ میں منعقدہ ٹریڈ یونین کانفرنس میں تمام ممالک کے محنت کشوں کو متحد کرنے کی کوشش کے لیے انٹرنیشنل کا شکریہ ادا کیا گیا اور کانفرنس میں شریک یونین ممبران کو انٹرنیشنل میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ انٹرنیشنل ابھی تعمیری مراحل میں تھی۔ اسی دوران یورپ میں تیز ترین تبدیلیوں اور واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکمران طبقہ کمیونزم کے خوف سے کانپ رہا تھا جس کی بنیادی وجہ انٹرنیشنل کی موجودگی تھی۔ اسی دوران یورپ میں فرانس اور جرمنی کے درمیان جنگ چھڑ گی۔ جنگ پر انٹرنیشنل نے مینی فیسٹو جاری کیا جس میں جنگ کے خلاف احتجاج کیا گیا اور فرانس اور جرمنی کو مشترکہ طور پر اسکا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ مینی فسٹو میں یہ واضح کیا گیا کہ جرمنی کے لیے یہ ایک دفاعی نوعیت کی جنگ ہے۔ وہیں اس میں جرمنی کے محنت کشوں کو بتایا گیا کہ اگر انہوں نے اسے جارحانہ جنگ بننے دیا تو پھر فتح یا شکست دونوں صورتوں میں یہ محنت کشوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ 4 ستمبر 1870ء میں فرانس کی شکست کے بعد فرانس کے محنت کشوں کی بہت بڑی بغاوت کا آغاز ہوا جو تاریخ کی پہلی مزدور ریاست پیرس کمیون کے قیام پر منتج ہوئی، محنت کشوں نے پیرس کو اپنے جمہوری کنٹرول میں لے لیا، سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ کو ختم کر کے محنت کشوں نے کمیون قائم کیا جس کا کام انتظام اور قانون سازی تھا۔ سرکاری اہلکار جو پہلے حکومت اور حکمران طبقے کے اوزار ہوا کرتے تھے۔ ان کی جگہ عوامی منتخب اداروں نے لے لی جن میں شامل افراد کو کسی بھی وقت واپس بلایا جا سکتا تھا۔ مارکس کے الفاظ میں ''پیرس کے محنت کشوں نے آسمان کو ہلا کر رکھ دیا'' دو ماہ بعد حکمران طبقے نے انقلاب کو شکست دے دی اور اسے خون میں ڈبو دیا گیا جس کی وجہ قیادت کی کمزوری تھی۔ قیادت کے پاس کوئی

واضح پروگرام نہ تھا اور نہ ہی دفاع اور پیش قدمی کے لیے کوئی واضح حکمت عملی تھی۔ انٹرنیشنل تعداد کے اعتبار سے ایک محدود قوت تھی۔ بہت بڑی کامیابیوں کے باوجود نظریاتی قیادت کے فقدان کی وجہ سے کمیون سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں، خاص طور پر جو مارکس نے واضح کیا کہ انہوں نے بنک آف فرانس کو قومی تحویل میں نہیں لیا اور رد انقلاب کے گڑھ وارسائی کی جانب مارچ کیا ۔محنت کش طبقے کو ان غلطیوں کی بھیانک قیمت ادا کرنی پڑی۔ حکمران طبقے کو فوج کو منظم کرنے کا وقت مل گیا جس نے پیرس پر حملہ کر کہ کمیون کو انتہائی بربریت سے کچل ڈالا اور لاکھوں محنت کشوں کو قتل کر دیا گیا۔ کمیون کو خون میں ڈبو دینے کے بعد حکومتی پریس نے اس کے خلاف بہتان تراشی کا سلسلہ شروع کر دیا جس کے خلاف انٹرنیشنل نے کمیون کا بھرپور دفاع کیا اور ایک مینی فیسٹو تحریر کیا جس میں مارکس نے محنت کش طبقے کے عظیم انقلاب کی تاریخی اہمیت کی وضاحت کی ''کمیون محنت کش طبقے کے سیاسی اقتدار کی ایک شکل اور مجبور طبقے کی جابر طبقے پر آمریت کی ایک مثال تھا، یہ ایک عبوری حکومت تھی جس کا مقصد سماج میں مکمل معاشی تبدیلی تھا۔'' پیرس کمیون کی خونی شکست نے انٹرنیشنل پر بھی بہت منفی اثرات مرتب کئے ۔اس کے بعد شروع ہونے والے جبر کی وجہ سے فرانس میں کام کرنا ناممکن ہو گیا اور ہر جگہ انٹرنیشنل کو نشانہ بنایا جانے لگا۔ ہر طرف بے یقینی اور مایوسی پھیل گئی جس کا نتیجہ اندرونی تضادات اور دھڑے بندیوں کی صورت میں نکلا۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر مارکس اور اینگلز نے کچھ وقت کے لئے انٹرنیشنل کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلی انٹرنیشنل کو 1876ء میں باضابطہ طور پر تحلیل کر دیا گیا۔

1889ء میں قائم ہونے والی دوسری انٹرنیشنل نے وہیں سے کام شروع کیا جہاں سے پہلی انٹرنیشنل نے کام چھوڑا تھا۔ دوسری انٹرنیشنل کی شروعات ایک عوامی انٹرنیشنل کی صورت میں ہوئی جس میں لاکھوں محنت کش شامل تھے۔ جرمنی، فرانس، برطانیہ اور بلجیم میں اس کے ساتھ بڑی پارٹیاں اور ٹریڈ یونینز شامل تھیں۔ لیکن دوسری انٹرنیشنل کا قیام اس وقت ہوا جب سرمایہ داری کا ابھار تھا جس کی وجہ سے دوسری انٹرنیشنل کی قیادت میں اصلاح پسندی کے نظریات سرائیت کر رہے تھے۔ جس کا اظہار 1914ء میں پہلی عالمی جنگ کے موقع پر قوم پرستانہ زوال پذیری کی

شکل میں ہوا۔ جب دوسری انٹرنیشنل سے منسلک پارٹیوں نے جنگ میں اپنے اپنے ملک کے حکمران طبقے کی حمایت کر دی اور انٹرنیشنل ٹوٹ کر ملکی سطح میں بٹ گئی۔ دوسری انٹرنیشنل کے بائیں بازو کے رہنما اکٹھے ہوئے انہوں نے قیادت کی اصلاح پسندی اور مفاد پرستی کو مسترد کرتے ہوئے بائیں بازو کے حزب اختلاف کو ایک ڈھانچے میں منظم کیا اور ایک نئی انٹرنیشنل کی تعمیر کا اعادہ کیا۔ پہلی عالمی جنگ کی بربادیوں نے روس کے انقلاب کو تحریک دی۔ روس کا محنت کش طبقہ دوسری انٹرنیشنل کے بائیں بازو کے حزب اختلاف کی قیادت میں برسر اقتدار آ گیا جس کی سربراہی لینن اور ٹراٹسکی کر رہے تھے۔ 1917ء کے روسی انقلاب نے تاریخ کا رخ موڑ دیا، پہلی مرتبہ سماج کے اکثریتی حصے (محنت کش طبقہ) نے مارکسی خطوط پر انقلاب کر کہ ساری دنیا کے محکوم اور مجبور طبقات کو زندگی کی محرومیوں اور ذلتوں سے نجات کی راہ دکھائی۔

بالشویک انقلاب نے انسانیت پر جو اثرات مرتب کئے کبھی بھی کسی واقع نے نہ کئے ہوں گے۔ مارکسزم کے نظریات پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئے۔ دنیا کے طول و عرض میں کمیونسٹ پارٹیاں بننا شروع ہوگئیں۔ بالشویک انقلاب عالمی سوشلسٹ انقلاب کا پہلا قدم تھا۔ انقلاب کو دنیا کے دوسرے خطوں میں پھیلانے کے لئے 1919ء میں تیسری انٹرنیشنل قائم کی گئی۔ تیسری انٹرنیشنل کو ساری دنیا کے محنت کشوں کی حمایت ملی۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی تیسری کانگریس میں جرمنی، چیک ریپبلک اور فرانس کی سوشلسٹ پارٹی، ناروے کی لیبر پارٹی، برطانیہ کی سوشلسٹ پارٹی اور اٹلی، سپین اور دوسرے یورپی ممالک کی سوشلسٹ پارٹیوں کے علاوہ چین اور برصغیر سمیت دیگر ممالک سے انفرادی طور پر مندوبین اس کانگریس میں شامل ہوئے۔ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح برصغیر پر بھی بالشویک انقلاب نے گہرے اثرات مرتب کئے۔ دنیا بھر کے محنت کشوں اور مظلوموں کی طرح برصغیر کے محنت کشوں کے لئے بھی یہ انقلاب ہزاروں سالوں سے جاری غلامی سے نجات پانے کے لئے مشعل راہ تھا۔ سوشلزم کا نظریہ بہت تیزی سے برصغیر میں پھیلا اور یہاں کی ثقافت، شاعری اور سیاست کو متاثر کیا۔ برطانوی سامراج کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوا۔ قومی آزادی کی جدوجہد میں کئی سرگرم کارکن اور

رہنما مارکسزم کے نظریات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔ خاص طور پر نوجوان HSRA (ہندوستان سوشلسٹ ریپبلکن ایسوسی ایشن) کا قیام اس تبدیلی کا عملی اظہار تھا۔ بھگت سنگھ، راج گرو، سکھ دیو اور بی کے دت کی جدوجہد سرمایہ دارانہ نظام کے جبر، استحصال اور برطانوی راج کے خلاف نوجوانوں کا اعلان بغاوت تھا۔ جب بھگت سنگھ اور اس کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کہ ان پر مقدمہ چلایا گیا تو سارے ہندوستان میں اس مقدمے نے شہرت حاصل کی اور سماج میں بائیں بازو کا ایک عمومی رجحان مرتب ہوا۔

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی بنیاد 27,28 دسمبر 1925ء کو کانپور میں ہونے والی کمیونسٹ کانفرنس میں گئی۔ کمیونسٹ کانفرنس میں ہندوستان بھر سے مختلف بائیں بازو کے گروپوں نے شرکت کی۔ بالشویک انقلاب نے ساری دنیا میں سرمایہ دار حکمران طبقے کو خوف میں مبتلا کر لیا تھا۔ کمیونزم کے خوف کی وجہ سے ہر جگہ کمیونسٹوں کے خاتمے کے لئے ریاستی طاقت کا استعمال گیا اور ان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہندوستان میں بھی کمیونسٹ رہنماؤں اور کارکنوں کو ابتدا سے ہی انتہائی کٹھن حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ کمیونسٹ نظریات کی محنت کشوں میں بڑھتی ہوئی حمایت نے برطانوی سامراج کی نیندیں اڑا دی۔ کمیونسٹوں پر مقدمات قائم کئے گئے۔ کارکنان کو مسلسل قید و بند اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ان تمام تر کٹھن حالات کے باوجود کمیونسٹ پارٹی تمام بڑے شہروں میں قائم ہوئی ان میں مدارس، ممبئی، لاہور، کراچی، کلکتہ اور یوپی کے شہر شامل تھے۔ تشدد اور جبر کی تمام تر کاروائیوں کے باوجود کمیونسٹ پارٹی ہڑتالوں اور احتجاجوں کو منظم اور متحرک کرتی رہی۔ قومی آزادی کی تحریک میں کمیونسٹ پارٹی کے کردار نے برطانوی سامراج کو لرزا دیا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی بے مثال جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود تحریک کی قیادت نہیں سنبھال سکی۔ جس کی بنیادی وجہ انقلاب روس کی زوال پذیری تھی ۔ پسماندگی میں انقلاب روس کے تنہا رہ جانے کی وجہ سے انقلاب افسر شاہانہ زوال پذیری کا شکار ہو گیا۔ 1924ء میں لینن کی موت کے بعد سٹالن کی قیادت میں افسر شاہی کا دھڑا غالب آ گیا۔ افسر شاہی نے محنت کشوں کو پیچھے دھکیل کر پارٹی پر قبضہ کر لیا۔ افسر شاہی کے ابھار نے تیسری انٹرنیشنل کو برباد کیا، تمام ممالک کی کمیونسٹ پارٹیوں کو تباہ کیا

جوابھی تک ناپختہ تھیں۔محنت کشوں کے بین الاقوامی جدوجہد کوترک کر کے (جوانقلاب کے تحفظ کا واحد ذریعہ تھا) قومی تنگ نظری پر مبنی ایک ملک میں سوشلزم کا نظریہ متعارف کروایا گیا جس کا مارکسزم کے نظریات سے کوئی تعلق نہ تھا۔کمیونسٹ انٹرنیشنل کو ماسکو کی خارجہ پالیسی کے آلہ کے طور پر استعمال کرنے کے بعد 1943ء میں تحلیل کر دیا گیا۔لیون ٹراٹسکی اور لیفٹ اپوزیشن نے محنت کشوں کی جمہوریت اور عالمی انقلاب کے مارکسزم کے نظریے کے دفاع کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔حزب مخالف کے رہنماؤں کو افسر شاہی نے نہ صرف روس میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی پارٹی سے خارج کر دیا۔پارٹی کے بہت سے کارکنوں اور رہنماؤں کو ظلم اور جبر کا نشانہ بنایا گیا۔بالشویک انقلاب کے رہنما ٹراٹسکی کو ملک بدر کیا گیا۔پارٹی سے بے دخل اور سوویت یونین سے جلاوطن ہونے کے بعد بھی ٹراٹسکی نے بالشوازم اور انقلاب کی روایات سے وفادار قوتوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی اور 1938 میں چوتھی انٹرنیشنل کی بنیاد رکھی۔انٹرنیشنل نے افسر شاہی کی غلط پالیسیوں کے خلاف سخت لڑائی لڑی اور ہر جگہ مارکسزم کے نظریات کا دفاع کیا جسے افسر شاہی نے مسخ کر دیا تھا۔

افسر شاہی کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں کئی انقلاب ناکام ہوئے۔کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا پر بھی افسر شاہی کی طرف سے پالیسیوں میں بار بار تبدیلیوں کی وجہ سے منفی اثرات پڑتے رہے۔جب برطانیہ مخالف تحریک کے نتیجے میں کمیونسٹ پارٹی کو تیزی سے عوامی حمایت مل رہی تھی اس وقت ماسکو کی پالیسی میں اچانک تبدیلی نے پارٹی پر تباہ کن اثرات مرتب کئے۔سٹالنسٹ روس کی امریکہ اور برطانوی سامراج کے ساتھ ہونے والی مصالحت نے کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کو بھی برطانوی راج کے خلاف جدوجہد کو ترک کرنے پر مجبور کیا۔ پارٹی کی پالیسی میں اچانک تبدیلی نے نہ صرف عوام بلکہ پارٹی کے اندر کارکنوں اور پارٹی رہنماؤں کو بھی بے دلی اور مایوسی میں مبتلا کر دیا۔کمیونسٹ پارٹی کا قومی آزادی کی تحریک سے پیچھے ہٹنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سامراج مخالف تحریک کانگریس اور مسلم لیگ کی شکل میں برطانوی سامراج کے ہاتھ میں چلی گئی،جس کا استعمال کرتے ہوئے 1947ء میں برطانوی سامراج

نے برصغیر کو تقسیم کیا جس کے نتیجے میں تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت اور لاکھوں افراد کو قتل کروایا گیا۔قومی آزادی کی جدوجہد جو سوشلسٹ انقلاب میں تبدیل ہوسکتی تھی کمیونسٹ پارٹی کی ماسکو کی اندھی پیروی کی وجہ سے تحریک ہندو مسلم ردانقلابی قیادت کے ہتھے چڑھ گئی۔کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے قیام کا فیصلہ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے 1948ء میں کیا۔پاکستان میں کمیونسٹ پارٹی ابھی تعمیری مراحل میں تھی کہ راولپنڈی سازش کیس میں شامل ہونے کے جرم میں 1954ء میں اس پر پابندی عائد کردی گئی اور ساتھ ہی اس کے سٹوڈنٹ ونگ ڈیموکریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن (ڈی ایس ایف) پر بھی پابندی عائد کردی گئی۔ڈی ایس ایف کے نوجوان نے 1954ء میں ہی بننے والی ایک طلبہ تنظیم نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن (این ایس ایف) میں شمولیت اختیار کی۔جس کی وجہ سے این ایس ایف میں ابتدا سے ہی بائیں بازو کے نظریات غالب آ گئے۔پاکستان این ایس ایف نے طلباء مسائل کے حل اور ایوب آمریت کے خلاف بھرپور کردار ادا کیا۔69-1968 کی انقلابی تحریک میں طلباء احتجاج میں این ایس ایف نے مرکزی کردار ادا کیا۔پاکستان این ایس ایف کے اسی انقلابی کردار کے تسلسل میں کشمیر کے نوجوانوں نے 22,23,24 ستمبر 1966ء میں میرپور کے مقام پر جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن (جے کے این ایس ایف) کی بنیاد رکھی۔جے کے این ایس ایف نے نصف صدی کی جدوجہد کے دوران طلباء حقوق کی بحالی،قومی آزادی اور غیر طبقاتی سماج کے لئے انتھک اور ناقابل مصالحت جدوجہد کی۔آج این ایس ایف نہ صرف کشمیر بلکہ ایشیاء کی سب سے بڑی طلباء تنظیم کے طور پر موجود ہے جو سوشلزم کے سائنسی نظریات کی بنیاد پر آزادی اور سوشلسٹ انقلاب کے لئے دیگر ممالک کے محنت کش اور محکوم طبقے کے ساتھ مل کر جدوجہد کر رہی ہے۔

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پچاس سالہ جدوجہد

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کو طلباء حقوق کی بحالی، قومی آزادی اور غیر طبقاتی سماج کے قیام کی عظیم تاریخی جدوجہد کے پچاس سال مکمل ہو چکے ہیں۔ ان پچاس سالوں میں این ایس ایف کٹھ پتلی حکمران طبقے کی عوام دشمن پالیسیوں، پاکستانی اور ہندوستانی ریاست کے سامراجی تسلط اور فوجی جبر کے خلاف کشمیر کے نوجوانوں کی مزاحمتی تحریک کے طور پر موجود رہی ہے۔ این ایس ایف کے قیام سے قبل کشمیر میں ہونے والی سیاست دونوں ریاستوں (پاکستان اور ہندوستان) کے ناجائز قبضے کو جائز قرار دینے اس کو قانونی، اخلاقی اور نظریاتی جواز فراہم کرنے اور دونوں ریاستوں کے سامراجی ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ہوری تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کے حکمران طبقے نے کمیشن ایجنٹوں کے بلبوتے پر کشمیر کے محکوم عوام کو بدترین قومی اور طبقاتی استحصال کا شکار کر رکھا تھا۔ مسئلہ کشمیر کو دونوں ممالک کے درمیان سرحدی تنازعہ بنانے کی کوشش کی جاتی رہی تھی۔ این ایس ایف نے سامراجیت کے خلاف بھرپور جدوجہد کی اور کشمیر کو دو ریاستوں کے درمیان زمین کے ٹکڑے کی لڑائی کے خلاف مزاحمت کی اور مسئلہ کشمیر کو مذہب اور زمین کے مسئلہ کی بجائے پونے دو کروڑ کشمیری عوام کے قومی، تاریخی، جغرافیائی، ثقافتی، اور تہذیبی مستقبل کی بقاء کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے غاصب قوتوں سے مکمل آزادی، خودمختاری اور غیر طبقاتی سماج کے قیام کو حل کے طور پر پیش کیا۔ این ایس ایف نے قومی مسئلے کو دیگر سماجی مسائل سے جوڑتے ہوئے کشمیر میں صدیوں سے جاری جبر، استحصال، پسماندگی، قومی اور طبقاتی غلامی اور دیگر مسائل کی وجوہات کا سائنسی بنیادوں پر تجزیہ کرتے ہوئے یہاں کے نوجوانوں اور محکوم عوام کے لئے اس راستے کا تعین کیا جس پر چل کر تمام مسائل اور محرومیوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ آج جن مسائل نے دنیا کے اٹھانوے فیصد انسانوں کی زندگیوں کو عذاب بنا رکھا ہے، یہ سرمایہ دارانہ نظام

کے استحصالی ڈھانچے کی پیداوار ہیں۔سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے ہی ایک غیر طبقاتی اور غیر استحصالی سماج کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے جس میں سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ تمام سماجی برائیوں (بیروزگاری، بھوک، جہالت، غربت، قومی محرومی) کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے اور معاشرے کے تمام افراد کی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔خوراک، تعلیم، صحت، لباس، رہائش سمیت دیگر ضرورتوں کو مفت اور یکساں بنیادوں پر فراہم کیا جاسکتا ہے اور ایک حقیقی آزاد اور خوشحال انسانی سماج کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے جس میں انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ ہو جائے گا۔اسی طرح ایک قوم کے ہاتھوں دوسری قوم کا استحصال ختم ہو جائے گا اور تمام انسان آزاد اور برابر ہوں گے۔آزادی اور انقلاب کے لئے کی جانے والی نصف صدی کی اس جدوجہد کے دوران این ایس ایف کے انقلابی نوجوانوں نے بے شمار مشکلات اور کٹھن حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اس جدوجہد کو آگے بڑھایا۔طلباء حقوق کی بحالی کی جدوجہد کیساتھ کشمیر کے محکوم عوام کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور ظلم کے خلاف جدوجہد کے دوران این ایس ایف کے کارکنوں پر ظلم و جبر کی انتہا کردی گئی۔این ایس ایف کے کارکنوں کو تعلیمی اداروں سے بے دخل کرنا، گرفتاریاں، تشدد، اور کئی کارکنوں اور رہنماؤں کو بے دردی کے ساتھ قتل کروادیا گیا لیکن جبر کا کوئی بھی طریقہ آزادی کے اس سفر میں رکاوٹ نہ بن سکا۔این ایس ایف نے ہر دور میں ظالم اور جابر حکمرانوں کے آگے جھکنے سے انکار کیا۔جب ہم طبقاتی معاشرے کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر عہد کے حکمران طبقے کا یہی کردار نظر آتا ہے۔حکمران طبقہ ایک طرف اپنی حاکمیت کو قائم رکھنے کے لئے طاقت اور تشدد کا استعمال کرتا ہے تو دوسری طرف محکوم طبقہ اپنے حقوق کی لڑائی لڑتے ہوئے نظر آتا ہے۔یوں تو این ایس ایف کے قیام کو پچاس سال ہوئے ہیں لیکن تاریخی طور پر دیکھا جائے تو این ایس ایف کی جدوجہد ہزاروں سالوں سے جاری محکوم عوام کی طبقاتی غلامی کے خلاف جدوجہد کا تسلسل ہے۔جو ظالموں، حاکموں، آقاؤں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف مظلوموں محکوموں، غلاموں، مزارعوں، اور مزدوروں کی رہی ہے۔ماضی میں غلامی کے خلاف کی جانے والی جدوجہد کو سمجھے اور انسانی سماج کے ارتقاء کو جانے بغیر مستقبل کی جدوجہد کے لئے درست سمتوں کا

تعین نہیں کیا جا سکتا۔

وہ تنظیمیں جنکی بنیاد ترقی پسند اور جدید نظریات پر مبنی ہو وہ حقیقی معنوں میں سماجی اور سیاسی تبدیلی میں ہراول دستے کا کردار ہر عہد میں ادا کرتی رہی ہیں۔ جے کے این ایس ایف کا شمار بھی انہی تنظیموں میں ہوتا ہے جنکے آدرش سائنسی طریقہ کار کے تحت تخلیق کیے جاتے ہیں۔ جو نہ صرف جملہ مسائل کی ٹھوس وجوہات سے آگاہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتے ہیں بلکہ ان مسائل کا حل دریافت کرنے کی صلاحیت سے بھی بھرپور ہوتے ہیں۔

کسی بھی انقلابی تنظیم کے ارتقاء کو سمجھنے کے لیے اس نقطہ نظر کو سمجھنا اور جاننا بے حد ضروری ہوتا ہے کہ کن حالات میں اس تنظیم یا رجحان کا جنم ہوا ہے اور اس تنظیم یا رجحان کے نظریات ہی اس کی سیاسی جدوجہد کی راہ متعین کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

جے کے این ایس ایف کے قیام کا پس منظر

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن (جے کے این ایس ایف) کا قیام میر پور کے مقام پر بائیس ستمبر 1966ء میں منعقدہ تاسیسی کنونشن میں عمل میں لایا گیا، جے کے این ایس ایف کے قیام کا پس منظر جہاں پاکستان این ایس ایف کیساتھ منسلک ہے وہاں منگلا ڈیم کی تعمیر کیخلاف احتجاجی تحریک میں شامل نوجوانوں کی جانب سے قائم کی گئی طلبہ کی تنظیم ''جموں کشمیر سٹوڈنٹس یونین'' جے کے این ایس ایف کے قیام کی بنیادی محرک تھی۔ سٹوڈنٹس یونین کو بنیاد بنا کر پاکستانی مقبوضہ کشمیر ''آزاد کشمیر'' بھر میں منظم ہونیوالے نوجوانوں پر مشتمل نئی بائیں بازو کی طلبہ تنظیم کی بنیادیں رکھنے کا فیصلہ میر پور کے رہنے والے نوجوانوں سمیت انکے دیگر ساتھیوں نے کیا۔

جموں کشمیر این ایس ایف کو طلبہ حقوق کی بحالی سمیت معاشی، سیاسی اور سماجی آزادی کے حصول کیلئے ٹھوس، جامع، سائنسی نظریات کی حامل طلبہ تنظیم کے طور پر قائم کیا گیا۔ جے کے این ایس ایف کی سیاسی جدوجہد کے تناظر میں تحریر کئے گئے ناول ''آزادی کا سفر'' میں مصنف ''قمر

رحیم'' نے این ایس ایف کے تاسیسی کنونشن، تنظیم کے نام اور قیادت کے انتخاب کے حوالے سے اس طور قلمبند کیا کہ ''عارف کمال کو سب نے ملکر تنظیم کا منشور اور آئین لکھنے کیلئے بٹھا دیا۔ باقی لوگوں نے بھی مشورے دیئے جن میں امان اللہ خان بھی شامل تھے لیکن کام عارف کمال نے ہی کیا۔ کنونشن میں آزاد کشمیر کے سابق صدور کو بلایا گیا۔ سردار ابراہیم، سردار قیوم، سید علی احمد شاہ، کے ایچ خورشید شامل ہوئے۔ کنونشن کالج گراؤنڈ میں ہوا۔ تنظیم کے نام کے بارے میں تا حال کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی۔ صابر انصافی نے تمام خدشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے رفیق بلی سے تفصیلاً بات کی تو وہ نئے نام کی تجویز پیش کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ رفیق بلی نے تنظیم کیلئے نئے نام کی تجویز پیش کر دی جس پر کسی کو اعتراض نہ ہوا۔ یوں 22 ستمبر 1966ء کو اسٹوڈنٹس یونین ''جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن'' بن گئی اور اسی نام سے پکاری اور پہچانی جانے لگی''

اسی تسلسل میں قمر رحیم قیادت کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ ''عارف کمال نے سارے متحرک دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ ''سوشلسٹ پارٹیوں میں سیکرٹری جنرل صدر سے زیادہ اہم آدمی ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس اختیارات زیادہ ہوتے ہیں، میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ صدارت باہر دے دیں اور سیکرٹری جنرل میر پور سے لیں۔ میں باہر کے دوستوں پر ہرگز بدگمان نہیں ہوں لیکن چونکہ آپ لوگ اس تنظیم کی کور ٹیم ہو، تمام معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہو اور پھر یہ کہ میر پور میں دوسرے اضلاع کی نسبت زیادہ مضبوط بھی ہو۔ اس لئے مشکل حالات کو سنبھال سکتے ہو۔''

اسی طرح کی دیگر بحثوں کے بعد فارورڈ کہوٹہ ضلع پونچھ (موجودہ ضلع حویلی) سے تعلق رکھنے والے ممتاز راٹھور کو جے کے این ایس ایف کا پہلا صدر جبکہ میر پور سے تعلق رکھنے والے ریاض انقلابی کو سیکرٹری جنرل اور نذیر تبسم کو پریس سیکرٹری بنایا گیا۔

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اپنے قیام سے ہی نہ صرف طلبہ حقوق کی بحالی بلکہ کشمیر کی قومی، معاشی اور سیاسی آزادی کے حوالے سے جدوجہد کو منظم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ کالجز اور جامعات میں ہفت روزہ اور پندرہ روزہ سٹڈی سرکلز کا اہتمام کیا گیا جن میں

تاریخی، معاشی، سیاسی اور قومی وعلاقائی مسائل اوران کے حل کے حوالے سے نوجوانوں کوسائنسی سوشلزم کے نظریات سے لیس کرنے کا آغاز کیا گیا۔ تاسیسی کنونشن کے بعد منعقد ہونے والے ایک سٹڈی سرکل جس میں مرکزی سیکرٹری جنرل ریاض انقلابی نے نوجوانوں کو لیکچر دیا اس کی وضاحت قمر رحیم نے کچھ اس طرح سے کی کہ:

''دوستو! ہمارا تعلق ایک غلام قوم اور غلام معاشرے سے ہے۔ ہماری جدوجہد اسی غلامی کیخلاف ہے۔ ایک طرف ہماری قومی آزادی کا سوال ہے جس میں ہم اکیلے ہیں جبکہ ہمارے مد مقابل دو بڑی طاقتیں ہیں جو ہمارے ملک اور وسائل پر قابض ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم ایک غلام معاشرے کا فرد ہونے کے ناطے سماجی نا انصافی، ظلم، جبر، جہالت، فرسودگی اور معاشی استحصال کا بھی شکار ہیں۔ اوراس میں ہم اکیلے نہیں بلکہ ساری دنیا کے غریب، مجبور ومقہور انسان بھی ہمارے ساتھ پس رہے ہیں۔ اس اعتبار سے ہمارے مد مقابل سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ پوری دنیا میں جتنی بھی غربت، جہالت اور ظلم ہے اس کا سبب سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ مارکس نے اس نظام کے بارے میں انتہائی مختصر الفاظ میں بہت جامع اور خوبصورت بات کہی تھی۔ اس نے کہا تھا:

''سرمایہ داری انسان کی نس نس کو خون میں نہلا کر وجود میں آئی ہے''

اسی تسلسل میں آگے چلتے ہوئے ریاض انقلابی کے لیکچر کی مزید وضاحت کچھ اسطرح کی گئی:

''مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام پر کڑی اور مدلل تنقید کی اور ''داس کیپٹل'' کے نام سے ایک شہرہ آفاق کتاب لکھی جس نے مارکسی معاشیات یا سوشلزم کی بنیادی دستاویز کی حیثیت حاصل کی۔ ''داس کیپٹل'' اور ''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' نے ایک انقلاب برپا کیا جس سے تقریباً پوری دنیا متاثر ہوئی۔ مارکس کے نظریات کا مطالعہ کئے بغیر طبقاتی جدوجہد اور اسکے تقاضوں کو سمجھنا ناممکن ہے۔''

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے انہی نظریات کی بنیاد پر جدوجہد کے عمل میں مصروف نوجوان پاکستانی حکومت کے دم چھلا اس خطہ کے حکمرانوں کیلئے ایک چیلنج بن کر ابھر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ این ایس ایف کے تاسیسی کنونشن میں بننے والی پہلی قیادت کو ہی قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن ہر ریاستی جبر اور منفی ہتھکنڈے نے جے کے این ایس ایف کو مزید

قوت اور جلا بخشی، اور جموں کشمیر این ایس ایف اس خطہ میں حقیقی اپوزیشن کا روپ دھار گئی اور طلبہ حقوق کی بحالی سمیت خطہ کے سماجی، معاشی مسائل کے حوالے سے حکمران طبقات کو جے کے این ایس ایف کے کارکنان کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

طلبہ مسائل اور این ایس ایف کا کردار

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ریاست جموں کشمیر کے پاکستانی مقبوضہ خطے کی پہلی طلبہ تنظیم ہونے کے ناطے طلبہ حقوق کی بحالی اور طلبہ مسائل کے حل کے حوالے سے ایک لازوال جدوجہد کی ہے۔ اپنے تاسیسی کنونشن کے موقع پر جے کے این ایس ایف نے طلبہ مسائل پر ایک پمفلٹ بعنوان ''اعلیٰ تعلیم کا حصول کشمیری طلبہ کا حق ہے'' شائع کیا۔ اس پمفلٹ میں اس وقت کے حکام بالا کو متنبہ کیا گیا کہ وہ طلبہ حقوق کی پامالی کی روش کو ترک کریں۔ 1967ء میں جے کے این ایس ایف نے طلبہ حقوق کی بحالی اور پست معیار تعلیم کیخلاف پہلی منظم تحریک چلائی۔ آزاد کشمیر کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں جے کے این ایس ایف کے زیر اہتمام اس تحریک کو منظم کیا گیا۔

اس وقت آزاد کشمیر کے اندر محض چار ڈگری کالج تھے۔ اسی طرح انتہائی محدود سطح پر انٹر کالجز اور سکولز تھے۔ اداروں کے اندر سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس ساری صورتحال کیخلاف اپنے آغاز میں جے کے این ایس ایف ہی وہ واحد قوت تھی جس نے علم بغاوت بلند کیا۔ جے کے این ایس ایف نے بھرپور مطالبہ کیا کہ نئے کالج بنائے جائیں اور پرانے کالجز کو بہتر کیا جائے اور جدید سہولیات مہیا کی جائیں۔ تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کرنے کا مطالبہ بھی سب سے پہلے این ایس ایف نے کیا۔ این ایس ایف کی ساری جدوجہد محض مطالبات تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ عملدرآمد کیلئے جے کے این ایس ایف نے ملک گیر احتجاج کیا اور بے شمار قربانیاں بھی دیں۔ اس

لازوال جدوجہد کے نتیجے میں خطہ میں تعلیمی ادارے، کالجز اور سکولز معرض وجود میں آئے اور پرانے تعلیمی اداروں کی حالت قدر بہتر ہوئی۔

1967ء میں جے کے این ایس ایف نے تعلیمی مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے دو کتابچے بعنوان ''کشمیری طلباء بھیک نہیں مانگتے، اپنے حقوق طلب کرتے ہیں'' اور ''آزاد کشمیر میں تعلیمی سہولتیں پتھر کے دور کی یاد تازہ کرتی ہیں'' شائع کئے۔

پھر جے کے این ایس ایف نے 1969ء میں چھ نکات پر مبنی ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ:

۱)۔آزاد کشمیر میں طلباء وطالبات کیلئے نئے کالج کھولے جائیں۔

۲)۔پہلے سے موجود کالجوں کی عمارتوں کو ٹھیک کیا جائے۔

۳)۔لائبریریاں قائم کی جائیں۔

۴)۔جدید لیبارٹریز قائم کی جائیں۔

۵)۔ہاسٹل تعمیر کئے جائیں۔

۶)۔یونیورسٹی، لاء کالج، میڈیکل کالج اور فنی تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں۔

یہ وہ مطالبات تھے جنکو پورا کرنے کی خاطر جے کے این ایس ایف کے نوجوانوں نے کشمیر کے کونے کونے میں تحریک چلائی۔

جے کے این ایس ایف نے 1970ء میں اپنے دوسرے کنونشن کے موقع پر جو کہ میر پور کے مقام پر منعقد ہوا آزاد کشمیر میں یونیورسٹی کے قیام کا باضابطہ مطالبہ کیا اور جملہ تعلیمی مسائل کے حل کی خاطر وزارت تعلیم اور حکومت وقت کو تفصیلی خطوط بھی ارسال کئے۔ 1979ء میں جے کے این ایس ایف نے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کا آزاد کشمیر میں عمل دخل ختم کرنے اور کشمیر ٹیکسٹ بک بورڈ قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ کالجوں اور سکولوں میں تاریخ کشمیر کو بھی پڑھایا جائے۔

متذکرہ بالا مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے جے کے این ایس ایف نے عملی جدوجہد جاری

رکھی۔این ایس ایف ہی کی جدوجہد کا ثمر ہے کہ آج پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے اس حصہ کے اندر نام نہاد ہی سہی لیکن بے شمار کالجز اور یونیورسٹیاں بھی موجود ہیں۔انجینئرنگ کالج کے قیام، میڈیکل کالجز کی منظوری اور دیگر شعبوں کا قیام اور سہولتوں کے حصول میں جے کے این ایس ایف کی لازوال جدوجہد کا عمل دخل شامل ہے۔

1986ء کے طلبہ یونین الیکشن میں ریاستی مداخلت کے باوجود جے کے این ایس ایف نے الیکشن جیت کر ثابت کیا کہ جے کے این ایس ایف ہی واحد طلبہ تنظیم ہے جو طلبہ کے تمام تر مسائل کے حل کیلئے ہراول دستے کا کردار ادا کر رہی ہے اور جب تک اس خطے سے طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ نہیں ہو جاتا، تعلیم سب کیلئے مفت اور جدید خطوط پر استوار نہیں ہوتی، تعلیم کا کاروبار بند نہیں ہو جاتا اس وقت تک لازوال جدوجہد کو جاری وساری رکھا جائیگا۔

08 اکتوبر 2005ء کے تباہ کن زلزلہ کے بعد تعلیمی اداروں کی بحالی وتعمیر نو کیلئے جموں کشمیر این ایس ایف نے دیگر ترقی پسند طلبہ تنظیموں سے ملکر ایک الائنس تشکیل دیا۔ریوولوشنری یوتھ الائنس (آر وائی اے) کے پلیٹ فارم سے احتجاجی تحریک کا آغاز کیا گیا اور آزاد کشمیر میں جلسے، جلوس اور ریلیاں منعقد کرتے ہوئے تعلیمی اداروں کی بحالی اور تعمیر نو کا مطالبہ کیا گیا۔

قومی محرومی ومعاشی غلامی کیخلاف جدوجہد

جدید سائنسی سوشلزم کے عظیم نظریات پر قائم ہونیوالی اس خطے کی انقلابی طلبہ تنظیم جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اپنے قیام سے طلبہ مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ کشمیر کی قومی، معاشی اور سیاسی آزادی کے حوالے سے ایک واضح موقف اختیار کیا اور اسکو بنیاد بناتے ہوئے طلبہ کو جدید نظریات سے لیس کرتے ہوئے اس نظام کیخلاف عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔بانی سیکرٹری جنرل جے کے این ایس ایف نے ابتدائی سٹڈی سرکل میں اس حوالے سے تفصیلی وضاحت کی،

''آزادی کا سفر'' میں ابتدائی سٹڈی سرکل کی روداد کے مطابق ریاض انقلابی نے کہا کہ:

''ہم جب آزادی کی بات کرتے ہیں تو فقط ہندو پاک سے آزادی نہیں بلکہ اس نظام سے بھی آزادی کی بات کرتے ہیں۔ ہماری جدوجہد آزادی ایک ایسے سماج کے قیام کیلئے ہے جو استحصال، ظلم، جبر، جہالت، ذہنی غلامی اور فرسودگی سے پاک ہو۔ جس میں عدل ہو، انصاف ہو، آزادی ہو اور یہ سب کچھ آپ کو ایک سوشلسٹ سماج میں ہی مل سکتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے عوام بھی اسی ظلم کا شکار ہیں۔ ہماری ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم سب کا دشمن ایک ہے اور وہ بالادست طبقہ ہے جو وسائل پر قابض ہے۔ ہمارے مسائل ایک ہیں، ہماری جدوجہد بھی ایک ہے اور ہماری شدید خواہش ہے کہ وہ بھی ظلم سے نجات حاصل کریں''۔

ریاض انقلابی کے انہی ابتدائی الفاظ کو بنیاد بنا کر جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے نہ صرف پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں غلامی، فرسودگی، جہالت، قومی وطبقاتی استحصال کیخلاف جدوجہد کو منظم کیا بلکہ عملی بنیادوں پر اپنی اس جدوجہد کو بالخصوص پاکستان، ہندوستان اور بالعموم پوری دنیا کے محنت کشوں اور نوجوانوں کی تحریک کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے سرمایہ داری نظام کے خاتمے اور قومی وطبقاتی آزادی کے حصول کی جدوجہد کو آگے بڑھانے میں مصروف عمل ہے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد ایوب خان نے جب معاہدہ تاشقند پر دستخط کر کے طے کر دیا کہ پاکستان آئندہ کبھی بھی نہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی حمایت کریگا اور نہ ہی کشمیریوں کی غیر ملکی قبضے کیخلاف تحریک کی حمایت کریگا۔ این ایس ایف نے اس بدنام زمانہ معاہدے کیخلاف یہ واضح اعلان کیا کہ کشمیری کسی ایسے معاہدے کے پابند نہیں اور یہ کہ کشمیر پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحدی تنازعہ کی بجائے کشمیریوں کی قومی آزادی کا مسئلہ ہے۔

جب پاکستانی حکمرانوں نے وزارت امور کشمیر اور کشمیر کونسل جیسے ادارے قائم کرتے ہوئے اپنے زیر کنٹرول علاقہ میں اپنے قبضہ کو مزید تقویت دینے کا آغاز کیا تو اس کیخلاف جے کے این ایس ایف نے اپنے دوسرے کنونشن میں منظم تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ اس تحریک کے دوران این ایس ایف کے کارکنان کو پابند سلاسل کیا گیا اور ریاستی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

دسمبر 1971ء میں پاک بھارت جنگ کے دوران جب نوے ہزار پاکستانی فوجی بھارت کی قید میں چلے گئے تو انہیں رہا کروانے کیلئے ذوالفقار علی بھٹو نے شملہ معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کا مقصد سیز فائر لائن کو کنٹرول لائن قرار دینا تھا اور یہ طے ہوا کہ بھارت اور پاکستان دونوں اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں میں کشمیریوں کی ہر تحریک کو سختی سے دبائیں گے۔ اس بدنام زمانہ معاہدے اور کشمیری آزادی پسندوں مقبول بٹ شہید، ہاشم قریشی، اشرف قریشی کی ''گنگا ہائی جیک'' کیس میں گرفتاری کیخلاف جے کے این ایس ایف نے ریاست گیر احتجاجی مظاہرے کئے۔

پاکستانی اور ہندوستانی حکمرانوں نے کشمیری عوام کو اپنا مطیع بنائے رکھنے کیلئے ہر دور کے اندر کوئی جائز و ناجائز ہتھکنڈا استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اس خواہش کو پورا کروانے میں کشمیر کے کاسہ لیس حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ 20 ستمبر 1972ء کو جب آزاد کشمیر ریگولر فورسز (اے کے آر ایف) کو پاکستانی افواج میں ضم کیا گیا تو اس وقت جے کے این ایس ایف نے اپنے تیسرے کنونشن (1972ء) کے موقع پر اپنے غم و غصے کا بھرپور اظہار کیا اور اس کارروائی کو سازش قرار دیتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ریاست جموں کشمیر کے پاکستان کے زیر انتظام علاقوں کو پاکستان میں ضم کیا جا رہا ہے۔

1974ء میں جے کے این ایس ایف کا جب چوتھا مرکزی کنونشن ہوا تو اس وقت مرکزی طور پر یہ طے ہوا کہ اب جے کے این ایس ایف قومی آزادی کی تحریک میں مزید فعال کردار ادا کریگی۔ خطہ کشمیر کی مکمل آزادی اور خوشحالی کیلئے جے کے این ایس ایف نے ہمیشہ اگلے قدموں پر اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔ کبھی حکمرانوں یا انکے کاسہ لیسوں کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے۔ کسی بھی طرح کی مصلحت پسندی کا جے کے این ایس ایف شکار نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب 1974ء میں امام خانہ کعبہ اور بین الاقوامی وفد کشمیر آئے تو جے کے این ایس ایف نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں ایک بار پھر یہ مؤقف اختیار کیا کہ آزاد کشمیر کے اندر حکومت پاکستان اپنی مداخلت بند کرے۔ پاکستان کے اندر کوئی بھی ایسی حکومت یا حکمران نہیں گزرا جس نے آزاد کشمیر کو پاکستانی نو آبادی بنائے رکھنے کی پالیسی نہ اختیار کی ہو۔ جے کے این ایس ایف ہی واحد قوت رہی ہے جس

نے حکومت پاکستان کے ان اقدام کیخلاف بھرپور بغاوت کی اور پورے آزاد کشمیر اور پاکستان کے مختلف شہروں میں مظاہرے کئے۔

جے کے این ایس ایف کی اس جدوجہد کے نتیجے میں جہاں طلبہ، نوجوانوں اور عوام کی سب سے بڑی روایت تسلیم کیا گیا وہاں پاکستان اور کشمیر کے حکمرانوں نے اسے غدار اور جاسوس کا نام بھی دیا۔ کارکنان این ایس ایف کو پابند سلاسل کیا گیا اور اس دور کے بدترین عقوبت خانے ''دلائی کیمپ'' میں سرخ پوش انقلابیوں کو مجوس کیا گیا۔

جب سردار ابراہیم خان کی حکومت نے 1975ء میں پاکستانی مقبوضہ کشمیر کو پاکستان کا صوبہ بنانے کی مہم کا آغاز کیا تو جے کے این ایس ایف کے سرخ پوش سپاہی ایک بار پھر میدان عمل میں اترے اور اس سازش کیخلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ اس وقت کے پاکستانی وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو جب کشمیر پہنچے تو جے کے این ایس ایف کے کارکنوں نے ہزاروں کے مجمع میں عبدالغفار انقلابی کی قیادت میں ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر نہ ہونے دی اور شدید نعروں سے بھٹو کا استقبال کیا گیا۔ ''بھٹو جی یہ کام نہ ہوگا، غیرت کا نیلام نہ ہوگا، بچہ بچہ کٹ مرے گا، کشمیر صوبہ نہیں بننے گا'' سمیت آزادی، خودمختاری کے حق میں نعرے لگانے کی پاداش میں جے کے این ایس ایف کے کارکنوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا، جلسہ میں شریک عام لوگوں نے بھی این ایس ایف کے نوجوانوں کے حق میں پولیس کے ساتھ تصادم میں شرکت کی لیکن پولیس کی بھاری نفری نے این ایس ایف کے کارکنوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے گرفتار کر لیا اور ان نوجوانوں کو بدنام زمانہ عقوبت خانوں میں پابند سلاسل کیا گیا۔

1977ء میں جب پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ ہوا تو ماضی کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پاکستان نے آزاد کشمیر حکومت کو برطرف کرتے ہوئے منتخب حکومت کی جگہ پہلے ریٹائرڈ فوجی جنرل پھر حاضر سروس بریگیڈیئر کو مظفر آباد کی کرسی پر بٹھا دیا۔ اس مداخلت کیخلاف بھی جے کے این ایس ایف سراپا احتجاج رہی۔

1978ء میں پانچویں مرکزی کنونشن میں جے کے این ایس ایف نے پاکستان اور آزاد کشمیر

کے رہنماؤں کو دعوت دی اور پاکستانی رہنماؤں سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر کی قومی آزادی کی تحریک میں کشمیریوں کا ساتھ دیں اور پاکستانی حکمرانوں کی سامراجی پالیسیوں کو بے نقاب کریں۔ مظفرآباد میں منعقد ہونیوالے 5ویں کنونشن میں مرکزی صدر طارق عزیز ملک نے 12سالہ جدوجہد پر لکھے گئے منشور میں واضح اعلان کیا کہ ''قومی آزادی اور سوشلزم جے کے این ایس ایف کی نظریاتی بنیادیں ہیں، ہمارا یہ ایمان ہے کہ کشمیر کا مسئلہ صرف کشمیری عوام حل کر سکتے ہیں اور اسے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان سودے بازی کے ذریعے حل نہیں کیا جاسکتا''

1978ء میں این ایس ایف نے تین نکاتی پروگرام پیش کیا۔ جس میں طے کیا گیا کہ منگلا ڈیم سے بجلی کے حصول، بیرونی ممالک سے کشمیری محنت کشوں کے ارسال کردہ زرمبادلہ کی آزاد کشمیر حکومت کو منتقلی اور لینٹ افسران کیخلاف ملک گیر تحریک چلائی جائے۔ جنرل حیات خان کی حکومت کے بے پناہ مظالم کے باوجود جے کے این ایس ایف نے پورے آزاد کشمیر میں احتجاج کیا۔

1980ء میں جب یہ طے ہوا کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں ضلعی سطح پر بھی پاکستانی افسران کو تعینات کیا جائے گا تو جے کے این ایس ایف ایک بار پھر میدان عمل میں آ گئی اور بھرپور احتجاج کرتے ہوئے حکمران طبقے کو یہ پروگرام ملتوی کرنے پر مجبور کیا۔

جنرل حیات خان حکومت کی سفاکانہ پالیسیوں کیخلاف جے کے این ایس ایف کا مزاحمتی کردار تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں جے کے این ایس ایف نے ریاست کے تمام تر ہتھکنڈوں کو ناکام کیا۔ خاص کر 82-1981ء کے عرصہ میں حیات حکومت اور اس کے آقاؤں نے جے کے این ایس ایف کے کارکنان کو بڑے پیمانے پر ظلم و جبر کا نشانہ بنایا۔ اسی دوران میرپور کی عوامی تحریک کے دوران این ایس ایف کی فکر سے وابستہ سکول کا ایک کم سن طالب علم محمد نثار شہید ہوا۔ لیکن بالآخر جب 1982ء ہی میں این ایس ایف نے حیات حکومت کیخلاف منظم جدوجہد کا آغاز کیا تو حیات خان کو اقتدار سے دستبردار ہونا پڑا۔ 11فروری 1984ء کو جب شہید کشمیر مقبول احمد بٹ شہید کو دہلی کی تہاڑ جیل میں پھانسی دی گئی تو جے کے این ایس ایف اس خطے میں واحد قوت تھی جس نے ریاست گیر احتجاج کیا۔ اسی جدوجہد کے تسلسل میں

25دسمبر 1985ء جے کے این ایس ایف کے عظیم انقلابی رہنما ارشد بلو کو ریاست نے انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا۔ جس کے خلاف بھی جموں کشمیر این ایس ایف نے بھرپور احتجاجی تحریک چلاتے اور نوجوانوں کو منظم کرتے ہوئے ریاستی جبر کیخلاف اپنے مزاحمتی کردار کو جاری رکھا۔

1988ء میں جب مقبول بٹ شہید کی شہادت بعد کشمیر کے دونوں اطرف آزادی کے حق میں ایک بڑی عوامی بغاوت ابھر رہی تھی جسے ڈی ٹریک کرنے کیلئے پاکستانی ریاست اور خفیہ اداروں کی ایماء پر مسلح جنگ کا آغاز کیا اور پھر اس کے ہاتھوں سے نکل جانے کے خوف سے اس تحریک کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم کرتے ہوئے ہزاروں کشمیری نوجوانوں کا قتل عام کروایا گیا۔ اس وقت جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے مسلح جدوجہد کے طریقے کار کو فرسودہ اور غلط قرار دیتے ہوئے یہ مؤقف اپنایا کہ مسلح تحریک کے ذریعے قومی آزادی کی تحریک کامیابی کی بجائے بے گناہ کشمیریوں کے قتل عام اور کشمیریوں کی تحریک آزادی کو نقصان پہنچانے کا مؤجب بنے گی اور ہندوستانی حکمرانوں اور فوج کو کشمیریوں پر جبر کا ایک جواز فراہم کریگی۔ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اپنے درست سائنسی نظریات کی بنیاد پر یہ مؤقف اپنایا کہ کشمیر کی قومی آزادی کی تحریک کو بالخصوص پاکستان اور بھارت کے محنت کشوں اور نوجوانوں جبکہ بالعموم دنیا بھر کے محنت کشوں اور نوجوانوں کی تحریک کے ساتھ منسلک کیا جانا ہی کامیابی کی جانب سفر کا باعث بن سکتا ہے۔

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے 1987ء میں شائع کئے جانیوالے منشور میں تحریر کیا گیا کہ:

''ہم عالمی سامراجی کیمپ کو کرۂ ارض پر ناسور تصور کرتے ہیں اور دنیا بھر میں عالمی سامراجی کیمپ کیخلاف برسر پیکار قوتوں کیساتھ یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عالمی سامراج کا وجود ہی دنیا بھر میں بھوک، ننگ، افلاس، قحط، جنگ، استحصال، ظلم، جبر، بربریت اور سماجی ناانصافی کا باعث ہے۔ چنانچہ عالمی سامراجی کیمپ کو نیست و نابود کرنے کی خاطر دنیا بھر میں طالبعلم، مزدور، کسان اتحاد کے پرچم تلے جدوجہد کے داعی ہیں''

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے انہی نظریات اور انقلابی پروگرام کی بنیاد پر ریاست

جموں کشمیر کے سینے پر کھینچی گئی خونی لکیر اور تقسیم کیخلاف گیارہ فروری 1990ء کو مرکزی صدر گلنواز بٹ کی قیادت میں تحریک چلانے کا اعلان کیا اور ہزاروں کی تعداد میں جے کے این ایس ایف کے سرخ پوش کارکنوں نے چکوٹھی میں سیز فائر لائن کی جانب مارچ کیا۔ این ایس ایف کے انقلابی نوجوانوں نے سیز فائر لائن کو عملی طور پر پاؤں تلے روندتے ہوئے اس پار کشمیر میں جے کے این ایس ایف کا سرخ پرچم سربلند کر دیا۔ بھارتی فوج کی فائرنگ کے باعث تین انقلابی لیاقت اعوان، سجاد انجم اور فرخ قریشی شہید ہو گئے جبکہ بیشمار کارکنان زخمی ہوئے۔ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے مرکزی صدر گلنواز بٹ اور سیکرٹری جنرل فہیم اکرم شہید نے جے کے این ایس ایف کو آزاد کشمیر بھر میں منظم کرتے ہوئے اس جدوجہد کو آگے بڑھایا۔

26 ستمبر 1991ء کو چکوٹھی کے مقام پر بھارتی مقبوضہ کشمیر میں این ایس ایف کا سرخ پرچم گاڑھنے کا اعزاز رکھنے والے جے کے این ایس ایف کے مرکزی سیکرٹری جنرل فہیم اکرم کو ریاستی ایماء پر دن دیہاڑے باغ شہر میں قتل کروا دیا گیا۔ فہیم اکرم شہید کے قتل کے بعد پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی تاریخ کی سب سے خوفناک طلبہ تحریک پھوٹ پڑی۔ 29 روز تک جاری رہنے والی اس احتجاجی تحریک میں جگہ جگہ پولیس اور ریاستی ایجنسیوں کیساتھ نوجوانوں کے تصادم ہوئے، 29 روز تک پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی تمام کالجز بند رہے، راولاکوٹ کے مقام پر احتجاجی تحریک کے دوران پولیس کی فائرنگ سے این ایس ایف کے ایک نوجوان فہیم ممتاز زخمی ہوئے، انہیں بازو میں گولی لگی تھی جو بعد میں کینسر کا باعث بنی جو بیس سال تک اس مرض کیخلاف لڑتے رہے بالآخر جاں بحق ہو گئے۔

انقلابی پارٹی کی تعمیر اور جے کے این ایس ایف

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نوجوانوں کو ہمیشہ ایک انقلابی پارٹی کی ضرورت محسوس ہوتی رہی لیکن درست نظریاتی رہنمائی کے فقدان کے باعث تعلیمی کیریئر سے سبکدوش ہونے کے بعد متعدد نوجوانوں نے مختلف سیاسی جماعتوں کا رخ کیا، جبکہ کچھ نوجوانوں اور سینئر رہنماؤں نے جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی کی بنیادوں میں اہم کردار ادا کیا، اس کے علاوہ علیحدگی پسند پارٹی جموں کشمیر لبریشن فرنٹ میں بھی این ایس ایف سے سبکدوش ہونیوالے نوجوانوں کی ایک بڑی کھیپ نے شمولیت اختیار کی۔ اسی صورتحال کو دیکھتے ہوئے جموں کشمیر این ایس ایف کے نوجوانوں نے پارٹی بنانے پر بحث کا آغاز کیا اور 22,23 اکتوبر 1995ء کو مظفر آباد کے مقام پر منعقدہ تاسیسی کنونشن میں جموں کشمیر نیشنل عوامی پارٹی کے نام سے پارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نیشنل عوامی پارٹی کے قیام کے بعد جے کے این ایس ایف میں ایک نئی بحث کا آغاز ہوا۔ یہ بحث سوشلزم کے نظریات کے تحت پارٹی کی تعمیر کے حوالے سے تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ نیشنل عوامی پارٹی اور این ایس ایف کے رشتے کے حوالے سے بھی ایک نئی بحث نے جنم لیا۔ بالآخر جے کے این ایس ایف کی آزاد حیثیت کو برقرار رکھا گیا لیکن نیشنل عوامی پارٹی کی قیادت پارٹی مقاصد پر کاربند رہنے کی بجائے جے کے این ایس ایف کو اپنے زیر کنٹرول رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئی۔ درحقیقت نیشنل عوامی پارٹی کا قیام جے کے این ایس ایف کی نظریاتی اور سیاسی اساس کی بنیاد پر ہی کیا جارہا تھا لیکن پارٹی قیادت سوشلزم کے نظریات سے نابلد ہونے اور پارٹی کی تعمیر کے حوالے سے مبہم اور ادھورے موقف کی وجہ سے عوامی بنیادیں حاصل کرنے سے قاصر رہی جس وجہ سے پارٹی کی بقاء کیلئے جے کے این ایس ایف پر کنٹرول برقرار رکھنا ناگزیر ہو چکا تھا۔ کیونکہ جے کے این ایس ایف اپنے آغاز سے ہی سائنسی سوشلزم کے نظریات پر قومی آزادی کیلئے جدوجہد کر رہی تھی۔ نیشنل عوامی پارٹی کی قیادت نے این ایس ایف پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے اور اپنے مذموم

عزائم کو پورا کرنے کیلئے پہلے پہل تو سوشلزم کے نظریات کو مکمل طور پر حذف کرنے کی کوشش کی لیکن بعدازاں ناکامی پر سوشلزم کی مسخ شدہ شکل جے کے این ایس ایف کے کارکنوں پر مسلط کی گئی۔ نظریاتی فکر پر جاری رہنے والی اس بحث نے این ایس ایف کو دھڑے بندیوں میں تقسیم کر دیا۔ پارٹی کی تعمیر کے حوالے سے دو الگ الگ نقطہ نظر سامنے آنے کے بعد جے کے این ایس ایف کے پارٹی ونگ ہونے یا نہ ہونے کی بحث پس پشت چلی گئی جبکہ پارٹی کی تعمیر کے حوالے سے تضادات جے کے این ایس ایف کی نظریاتی بحثوں میں غالب آ گئے۔

انقلابی سوشلزم کے نظریات کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو انقلابی پارٹی کی تعمیر کے حوالے سے مارکس، اینگلز، لینن اور ٹراٹسکی نے بارہا وضاحت کی ہے۔ کمیونسٹ مینی فیسٹو میں کارل مارکس اور اینگلز نے لکھا کہ:

''کمیونسٹ، مزدور طبقے کی دوسری پارٹیوں کے خلاف کوئی الگ پارٹی نہیں بناتے۔ بحیثیت مجموعی پرولتاری طبقے کے مفاد کے سوا اور اس سے جدا ان کا کوئی مفاد نہیں۔ وہ اپنے جداگانہ فرقہ پرور اصول قائم نہیں کرتے جس سے مزدور تحریک کو کوئی خاص شکل دی جائے اور کسی خاص سانچے میں ڈھالا جائے۔ کمیونسٹوں کا امتیاز مزدور طبقے کی دوسری پارٹیوں سے صرف یہ ہے کہ (۱) مختلف ملکوں کے مزدوروں کی قومی جدوجہد میں وہ بلا امتیاز قومیت پورے مزدور طبقے کے مشترک مفاد پر زور دیتے اور ان کو نمایاں کرتے ہیں۔ (۲) بورژوا طبقے کے خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد اپنی نشوونما کے جن مرحلوں سے گذرتی ہے ان میں وہ ہر جگہ اور ہمیشہ بحیثیت پوری تحریک کے مفاد کی ترجمانی کرتے ہیں''۔

ایک طرف جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں کا یہ موقف تھا کہ انقلابی سوشلزم کے نظریات کی بنیاد پر نوجوانوں اور محنت کشوں کو جیتتے ہوئے ٹھوس نظریہ کی بنیاد پر حکمت عملی اور لائحہ عمل مرتب کرتے ہوئے ہی حقیقی انقلابی پارٹی کی تعمیر کی جا سکتی ہے جو عوامی تحریک یا سماجی ہلچل کے عہد میں ایک پارٹی کی شکل اختیار کرے۔ بند کمروں میں بیٹھ کر پارٹی کے قیام کا اعلان کر دینے سے پارٹی تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ ایسی پارٹیوں کو اینگلز نے واضح طور پر تانگہ پارٹیوں سے تشبیہ دی تھی۔

اس ساری کشمکش کے دوران جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن 2006ء میں باضابطہ طور پر دو الگ الگ دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک دھڑے نے قوم پرستی کے نظریات کو اپنایا جبکہ دوسرے دھڑے نے جدید سائنسی سوشلزم کے نظریات کی بنیاد پر عالمی محنت کشوں اور نوجوانوں کے ساتھ اتحاد کی بنیاد پر انقلابی پارٹی کی تعمیر کا باضابطہ اعلان کر دیا۔

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام اور اسکی طویل جدوجہد پر نظر دوڑائی جائے تو جے کے این ایس ایف کے پرچم کی تیاری سے لیکر پہلی کابینہ کے انتخاب اور پہلے سٹڈی سرکل میں یہ بات واضح کی گئی کہ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن بائیں بازو کی طلبہ تنظیم ہے جو سائنسی سوشلزم کے نظریات کی بنیاد پر طلبہ حقوق کی بحالی، کشمیر کی قومی، معاشی اور سیاسی آزادی کیلئے برسرپیکار رہے گی۔ جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ان عظیم آدرشوں کی بنیاد پر پچاس سالہ لازوال جدوجہد کی ہے۔ ریاستی جبر واستبداد اور خفیہ اداروں کی سازشوں سمیت نظریاتی ابہام کے باعث متعدد مرتبہ جے کے این ایس ایف کو تقسیم کرنے کی کوششیں اور سازشیں کی گئیں لیکن جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرخ پوش انقلابیوں نے نظریات پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا اور جدوجہد کے اس سفر کو جاری وساری رکھا۔ جہاں مختلف موقعوں میں جے کے این ایس ایف نے اپنے نظریات کی بنیاد پر جو موقف اپنائے وہ تاریخ کی کسوٹی پر درست ثابت ہوئے وہاں جے کے این ایس ایف نے اپنی جدوجہد کے آغاز کے مقاصد کو حاصل کرنے میں بھی لازوال کامیابیاں حاصل کیں اور آج جموں کشمیر این ایس ایف مارکسزم کے نظریات سے لیس کشمیر کے تینوں منقسم خطوں پاکستان، بھارت سمیت دنیا بھر کے محنت کشوں اور نوجوانوں کی انقلابی جدوجہد سے اپنی جدوجہد کو منسلک کرتے ہوئے ایک حقیقی انقلابی قیادت کی تعمیر کے عمل میں عملی طور پر شریک ہے۔ علم کی بنیاد پر کی جانیوالی جدوجہد کو فتح سے ہمکنار ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

کشمیر کی جدوجہد آزادی

1۔تاریخ کشمیر

زمانہ قبل مسیح سے 1947 تک!

کشمیر کی معلوم تاریخ بعض مورخین کے مطابق اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔مختلف بادشاہوں کی لڑائیوں میں کشمیر کی سلطنت عروج وزوال کا شکار رہی۔بادشاہوں کی لڑائیوں کے مرہون منت اس خطہ کا رقبہ کبھی قابل، سمرقند اور بخارا تک پھیلا رہا تو کبھی وادی کشمیر اور جموں تک محدود ہو جاتا۔1941ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں کشمیر کا کل رقبہ 86163 مربع میل تھا۔اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے 1339ء تک کل اکیس خاندانوں نے کشمیر پر حکومت کی۔بعض مورخین کے مطابق زمانہ قبل مسیح میں راجہ وزیانند نے ختن اور کاشغر کو فتح کیا۔راجہ سندیمان نے گلگت کے راستے کابل اور قندھار کو فتح کیا اور یوں زمانہ قبل مسیح میں کشمیر کا رقبہ کابل اور قندھار تک بھی پھیلا رہا ۔عہد قبل مسیح کے بعد بھی ہندو خاندانوں کی بادشاہتوں کا سفر جاری رہا۔اس عرصہ کا ایک اہم نام راجہ للتادت کا بھی ہے۔راجہ للتادت 715ء سے 752ء تک کشمیر کا حکمران رہا۔اس نے کشمیر کے منقسم حصوں کو جوڑنے کے بعد فوجوں کو لے کر پنجاب، قنوج، بنگال، دکن اور ممبئی تک قبضہ کیا۔بعد ازاں افغانستان کے دروازے پر دستک دی اور کابل، بخارا، سمرقند اور تاشقند کے علاقوں کو فتح کیا۔راجہ للتادت کی دور حکمرانی میں مملکت کشمیر کی سرحدیں کابل، بخارا، سمرقند، تاشقند، کاشغر اور خراساں تک پھیلی رہیں۔بعد میں آنے والے ہندو راجاؤں کے زمانے میں یہ سلطنت محدود ہوتی گئی۔ہندو راجاؤں کا آخری راجہ سہادیوا تھا۔جہاں ہندو راجاؤں کے بعض ادوار میں سلطنت کشمیر کی سرحدیں دور دور تک پھیلی رہیں وہیں ہر دور میں عوام پر ظلم وتشدد کی نئی داستانیں رقم ہوئیں۔بھاری ٹیکس، قحط، سیلاب اور دیگر بیماریاں یہاں کی عوام پر قہر بن کر ٹوٹیں۔جہاں اکیس خاندانوں کی حکومتوں میں عوام پر رحم کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی وہیں بعد میں آنے والے حکمرانوں کا دور بھی کسی اذیت سے کم نہ تھا۔سہادیوا کا دور حکومت ہندو راجاؤں کے زوال کا عہد تھا۔اس عرصہ میں کشمیر یوں پر بیرونی حملہ آوروں نے بہت

ظلم ڈھائے۔ 1339ء میں کشمیر پر تاتاری حملہ ہوا اور سہادیوا بھاگ کر کشتواڑ چلا گیا۔

رنچن شاہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تبت کے حکمران کا بیٹا تھا۔تبت میں تاتاریوں کے حملے کے بعد بھاگ کر کشمیر آیا تھا۔رنچن کو کشمیر کے درباری افسروں کی حمایت حاصل تھی جس سے فائدہ اٹھا کر وہ گدی پر قابض ہو گیا۔رنچن نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور یوں کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران بنا۔اس کے بعد شاہ میر جس نے رنچن کو اقتدار حاصل کرنے میں مدد فراہم کی تھی کشمیر کا نیا حکمران بنا۔اس کے بعد 1354ء میں شہاب الدین جبکہ 1389ء میں شہاب الدین کے بیٹے سکندر نے حکومت سنبھالی۔سکندر نے بھاری ٹیکس عائد کئے اور ہندوؤں کے مندروں کی لوٹ مار کی۔سکندر کا چھوٹا بیٹا زین العابدین 1420 میں تخت نشین ہوا۔اس نے ہندوؤں کو جبر کے ذریعے مسلمان بنانے کے سلسلے کا خاتمہ کیا اور وہ مندر دوبارہ تعمیر کئے جو اس کے باپ نے مسمار کروائے تھے۔لیکن 1470ء میں اس کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان تخت نشینی کی لڑائیوں کا آغاز ہوا۔1540ء میں جب برصغیر میں بابر کے بیٹے ہمایوں کا دور اقتدار تھا تب مرزا تغلق خان نے کشمیر کو فتح کیا۔1555ء میں غازی چک کشمیر کا حکمران بنا۔

1586ء میں مغل حکمران اکبر نے کشمیر پر حملہ کیا۔مغلوں نے اس سے پہلے بھی کشمیر پر حملے کئے مگر ناکام رہے لیکن اس بار کشمیر میں ہونے والی فرقہ پرستی سے تنگ آ کر کشمیریوں نے اکبر کو دعوت دی جس نے بالآخر قبضہ کر لیا۔مغلوں کا دور حکومت 1752ء تک رہا۔مغلیہ سلطنت کے زوال کے عہد میں کشمیر کے حالات خراب ہو گئے ایک بار پھر کشمیر کے بالائی طبقات نے حالات سے تنگ آ کر افغان حکمران احمد شاہ ابدالی کو کشمیر پر حملے کی دعوت دی۔1752ء میں احمد شاہ ابدالی کی فوج نے شوپیاں کے مقام پر مغلوں کو شکست دی اور کشمیر افغانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔افغانوں کا قبضہ 1819ء تک رہا۔انہوں نے بھی کشمیر پر ظلم وستم کی نت نئی داستانیں رقم کیں۔افغانیوں کا مقصد زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنا ہوتا تھا کیونکہ انہیں کچھ عرصہ بعد واپس افغانستان بلا لیا جاتا جو وقت ان حکمرانوں کے ہاتھ لگتا وہ خوب دولت اکٹھی کرتے۔

افغانیوں کے زوال کے وقت کشمیر کا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔افغان حکمران عظیم خان کا خیال تھا

کہ پنڈت بیربل دھر نے کوئی گھپلا کیا ہے۔جس کی پاداش میں عظیم خان نے اسے گرفتار کروالیا ۔جب بیربل ضمانت پر رہا ہوا تو مسلمان جاگیرداروں کی مدد سے کشمیر سے فرار ہوگیا۔بیربل نے رنجیت سنگھ کو کشمیر پر حملے کے لئے اکسایا۔26 فروری 1819ء کو لاہور سے رنجیت سنگھ کے ولی کھڑک سنگھ کی زیرکمان ایک دستہ روانہ ہوا۔3 جولائی 1819ء کو افغان اور سکھ فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔سکھوں نے فتح حاصل کی اور یوں کشمیر سکھوں کے قبضہ میں چلا گیا۔دیگر حکمرانوں کی طرح سکھوں کے دور حکومت میں بھی کشمیریوں پر ظلم وستم روا رکھے گئے۔

سکھوں کے دور میں گلاب سنگھ نے اپنا عروج حاصل کیا۔گلاب سنگھ 1752ء میں جموں میں پیدا ہوا جس نے جواں عمری میں ایک جاگیردار کے ہاں ملازمت اختیار کی۔ایک حملے میں گلاب سنگھ نے جواں مردی کا مظاہرہ کیا جس کی شہرت رنجیت سنگھ تک پہنچی۔رنجیت سنگھ نے اسے بلا کر اپنے ہاں ملازمت پر رکھ لیا۔بعدازاں رنجیت سنگھ نے اسے 1832ء میں جموں کی حکمرانی دے دی۔اس کے بعد اس نے اپنے وزیر کی مدد سے لداخ وغیرہ کے علاقے فتح کئے۔بعدازاں اس نے اسکردو کو بھی فتح کر لیا۔27 جون 1839ء کو رنجیت سنگھ مر گیا اور گلاب سنگھ نے انگریزوں سے مذاکرات شروع کر دیئے۔10 فروری 1846ء کو پہلی سکھ انگریز لڑائی ہوئی۔گلاب سنگھ نے اس لڑائی میں سکھوں سے غداری کی اور سکھ یہ لڑائی ہار گئے۔09 مارچ 1846 کو انگریزوں اور سکھوں کے درمیان معاہدہ ہوا۔اس معاہدہ کے تحت سکھوں نے کشمیر کو برطانیہ کے حوالے کیا۔اس معاہدے کی روشنی میں 15 مارچ کو انگریزوں اور گلاب سنگھ کے درمیان معاہدہ ہوا جس کے تحت انگریزوں نے کشمیر کو 75 لاکھ ''نانک شاہی'' (سکہ رائج الوقت) کے عوض گلاب سنگھ کے حوالے کر دیا۔

جموں کا علاقہ گلاب سنگھ کو انعام میں ملا تھا،لداخ بلتستان کا علاقہ اس نے فتح کیا اور معاہدہ امرتسر میں کشمیر لے کر گلاب سنگھ جموں ،گلگت بلتستان و لداخ کو ملا کر کل ریاست کا حکمران بنا۔1857ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔1885ء میں رنبیر سنگھ کا بیٹا پرتاب سنگھ جبکہ 1925ء میں ہری سنگھ گدی پر بیٹھا۔ڈوگروں کا دور حکومت 1947ء تک قائم رہا۔اپنے دور حکومت میں ڈوگروں نے عوام سے 75 لاکھ سود سمیت واپس لئے۔

تقسیم برصغیر اور کشمیر

دوسری عالمی جنگ کے بعد برصغیر میں برطانیہ کے غاصبانہ قبضہ کے خلاف محنت کشوں اور نوجوانوں کی بغاوت نے برطانوی سامراج کے غاصبانہ قبضے کے خاتمے کی نوید سنادی تھی۔اب برطانوی فوج عالمی جنگ کے بعد اس انقلاب کو کچلنے کی سکت نہ رکھتی تھی۔لہٰذا ''تقسیم کرو اور حکمرانی کرو'' کے آزمودہ فارمولے کا استعمال کرتے ہوئے برطانوی سامراج نے برصغیر کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔برطانوی سامراج نے تقسیم کرو اور حکمرانی کرو کے فارمولے کے تحت ہی دنیا کے بیشتر ممالک میں اپنا تسلط قائم کیا اور نوآبادیاتی خطوں سے وسائل کی لوٹ مار کی، برصغیر میں برطانوی سامراج نے سب سے پہلا اقدام مردم شماری اور خانہ شماری کے دوران بسنے والے انسانوں کے مذہب کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کر کے شائع کیں جس نے ہندوستانی سماج میں تقسیم، نفرت اور احساس محرومی کو جنم دیا،اسی کو بنیاد بنا کر برطانوی سامراج نے برصغیر میں اپنے اقتدار کو طوالت دی، دوسری عالمی جنگ کے بعد اس فارمولے کو ایک مرتبہ پھر سے تازہ کرتے ہوئے برصغیر کے زندہ جسم کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا پلان تشکیل دیا گیا جس نے مذہبی فسادات کو جنم دیا اور اس خونی تقسیم نے اندوہناک واقعات کو جنم دیا اور ستائیس لاکھ سے زائد انسانوں کا قتل عام کیا گیا۔

تقسیم کے بعد ریاستوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں الحاق کرسکتی ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔اس حوالے سے پاکستان کی طرف سے ایک خفیہ میٹنگ بلائی گئی جس میں یہ طے کیا جانا تھا کہ مہاراجہ کو پاکستان کے ساتھ الحاق پر کیسے مجبور کیا جائے۔میٹنگ میں ایک پلان تیار کیا گیا جس کے مطابق قبائلی پٹھانوں کو کشمیر میں داخل ہونا تھا 22,23 اکتوبر 1947ء کی رات کو پٹھان کشمیر میں داخل ہوئے۔حملے کی رپورٹ پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف کو 24 اکتوبر کو ہوئی یہ کمانڈر انچیف میجر جنرل ڈگلس

گریسی تھا۔اس نے بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل سراب لاک ہارٹ کو اس رپورٹ کے بارے میں آگاہ کیا۔اگلے دن وی پی مینن جو کئی ریاستوں کا بھارت کے ساتھ الحاق کروا چکا تھا نے دونوں جنرلوں سے ایک اہم میٹنگ کی جس میں بتایا گیا کہ مہاراجہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے لئے تیار ہو چکا تھا لیکن پٹھان حملہ آور سرینگر سے 35 میل دور تھے اور کسی بھی لمحے سرینگر ائیر پورٹ پر قبضہ کر سکتے تھے جہاں سے کشمیر پر بھارت اپنی فوجیں اتار سکتا تھا۔وی پی مینن کو جموں پرواز کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ مہاراجہ سے الحاق کی دستاویزات پر دستخط کروا سکے۔قبائلی مجاہدین بجائے سرینگر کی طرف پیش قدمی کے مظفر آباد اور گرد و نوح میں داخل ہوئے لوٹ مار کرنے لگے۔26 اکتوبر تک پٹھان بارہ مولا تک ہی پہنچ پائے۔اس سے بھارتی فوج کو وہ وقت ہاتھ لگ گیا جس سے اس نے اپنے فوجی دستے اتارے اور سری نگر پہنچنے سے پہلے قبائلیوں کو روک لیا۔سرینگر پر بھارتی افواج کے قبضہ کے بعد افواج نے بارہ مولا پر بھی قبضہ کر لیا۔مئی 1948ء میں پاکستان نے بھی اپنی افواج جموں و کشمیر بھیج دیں۔1948ء کے اختتام تک یہ جنگ جو جموں کشمیر تک محدود تھی اسکے دونوں ممالک تک پھیلنے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔لہٰذا اقوام متحدہ کی مداخلت سے یکم جنوری 1949ء کو جنگ بندی کا اطلاق ہوا۔جنگ کے اختتام تک صوبہ جموں جس کا کل رقبہ 12378 مربع میل تھا کا 2498 مربع میل پاکستان اور 9880 مربع میل پر بھارت کا قبضہ ہوا۔صوبہ کشمیر جسکا کل رقبہ 8539 مربع میل تھا۔جس میں سے 2409 مربع میل پر مربع میل پاکستان اور 6131 مربع میل بھارت کے قبضہ میں چلا گیا۔سرحدی صوبہ کا کل رقبہ 63554 مربع میل تھا سے 33740 مربع میل بھارتی قبضہ جبکہ 29814 مربع میل پر پاکستان کا قبضہ ہوا۔لداخ کا تقریباً سارا علاقہ بھارتی کنٹرول میں چلا گیا جبکہ گلگت بلتستان کا علاقہ پاکستان نے کنٹرول میں لے لیا۔

2۔ کٹھ پتلیوں کا ناچ

پاکستانی مقبوضہ کشمیر (نام نہاد آزاد کشمیر)

4 اکتوبر 1947ء کو پہلے کشمیر کی ایک باغی حکومت کا اعلان راولپنڈی میں کیا گیا، بعد ازاں 24 اکتوبر 1947ء کو ''آزاد کشمیر'' کی عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ سردار محمد ابراہیم خان کو صدر نامزد کیا گیا۔ حکومت آزاد کشمیر اور پاکستان کے درمیان جنگ بندی کے بعد 28 اپریل 1949ء کو معاہدہ ہوا جس میں پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں کے دائرہ کار طے ہوئے جسکے مطابق دفاع، خارجہ پالیسی، گلگت بلتستان جیسے اہم امور پاکستانی حکومت کے حوالے کئے گئے اس کے علاوہ کشمیر کے حوالے سے رائے شماری اور دیگر معاملات بھی حکومت پاکستان کے اختیارات میں شامل کئے گئے۔ اس موقع پر وزارت امور کشمیر بھی تخلیق کی گئی اور یوں طاقت کا اصل حقدار بھی اسی کو ٹھہرایا گیا۔ 1960ء تک مسلم کانفرنس کا اعتماد جس کے پاس ہوتا وہی آزاد کشمیر کا صدر بھی ہوتا۔ 1960ء میں پہلی بار بی ڈی سسٹم (Basic Democrates) کے تحت صدارتی انتخابات کروائے گئے۔ 1970ء میں ''آزاد کشمیر'' میں پہلی مرتبہ ایک ایکٹ کے ذریعے عبوری آئین نافذ کرتے ہوئے عوام کو ووٹ کا حق دیا گیا، جس کے تحت براہ راست صدارتی انتخابات کروائے گئے جن میں مہاجرین جموں کشمیر مقیم پاکستان نے بھی ووٹ دیا، 1974ء میں ایکٹ 1974ء کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے تحت پارلیمانی نظام حکومت قائم کیا گیا۔ ''آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی'' 49 ممبران پر مشتمل ہے، جن میں سے 41 کا چناو ''آزاد کشمیر'' کی عوام اور مہاجرین جموں و کشمیر مقیم پاکستان کریں گے۔ ان میں سے 12 نشستیں مہاجرین کیلئے رکھی گئیں جن کے ذریعے بعد میں آنے والی وفاقی حکومتوں نے اپنی دھونس جمائے رکھی اور اس خطہ کی حکومتیں بنانے میں یہ بارہ نشستیں اہم کردار ادا کرتیں رہی ہیں۔ جبکہ آٹھ مخصوص نشستیں رکھی گئی ہیں جن میں ٹیکنو کریٹ، علماء مشائخ، اوورسیز اور پانچ خواتین ممبران کا انتخاب منتخب ممبران اسمبلی کے ووٹ کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔ ایوان بالا کے طور پر آزاد جموں و کشمیر

کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ آزاد جموں وکشمیر کونسل کے چھ ممبران کا انتخاب آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی ممبران کرتے ہیں جبکہ چیئرمین پاکستان کا وزیراعظم اور وائس چیئرمین صدر آزاد کشمیر کو رکھا گیا ہے، وفاقی وزیرامور کشمیر کے علاوہ وزیراعظم پاکستان کے نامزد کردہ پانچ ممبران بھی کشمیر کونسل کے ممبران ہوتے ہیں۔ ایکٹ 1974ء کے تحت کشمیر کونسل کے ذریعے وزیراعظم پاکستان کو ہی ''آزاد کشمیر'' اسمبلی کے تمام تر اختیارات تفویض کئے گئے ہیں، اس اسمبلی کو محض کٹھ پتلی کا درجہ ہی حاصل ہے۔ 1947ء سے اب تک پاکستانی حکومت کی مرضی ومنشاء سے ہی ''آزاد کشمیر'' میں حکومت بنائی اور توڑی جاتی ہے۔ پاکستان کی مداخلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1987ء تک تقریباً ایک درجن بار صدر کو اپنے عہدے سے فارغ کیا گیا۔ آج تک کٹھ پتلیوں کا یہ کھیل جاری وساری ہے۔

گلگت بلتستان

پاکستان نے اپنے قبضے میں آنے والے حصے کو مزید دو حصوں میں بانٹ لیا۔ ایک حصہ ''آزاد جموں وکشمیر'' اور دوسرا شمالی علاقہ جات۔ شمالی علاقہ جات میں گلگت اور بلتستان کے ڈویژن شامل ہیں۔ 1947ء میں ان علاقوں میں مہاراجہ کے خلاف بغاوت ہوئی اور یکم نومبر کو آزاد ریاست کا اعلان کیا گیا۔ بعدازاں 16 نومبر 1947ء کو پاکستان نے گلگت کو اپنے کنٹرول میں لے کر اپنا پولیٹیکل ایجنٹ بھیجا۔

جنگ بندی کے فوراً بعد 28 اپریل 1949ء کو حکومت آزاد کشمیر اور پاکستان کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہوا، جس کے تحت گلگت بلتستان کے وہ تمام علاقے جو پاکستان کے انتظامی کنٹرول میں تھے کو پاکستان کے حوالے کیا گیا۔ اس کے علاوہ حکومت آزاد کشمیر کے پاکستان کے ساتھ تعلقات اور اختیارات کا تعین بھی کیا گیا۔ کشمیر کی پاکستانی دم چھلہ حکومت اور پاکستان کے

حکمرانوں نے ایک میز پر بیٹھ کر گلگت بلتستان کے بارے میں فیصلہ کیا گیا اور یہاں کے عوام سے اس بارے میں کوئی رائے لینا بھی گوارا نہیں کیا۔ درحقیقت سرمائے کی اس منڈی میں عوامی رائے کے بجائے حکمرانوں کے مفادات کی اصل قیمت ہوتی ہے۔ کشمیری حکمرانوں تقسیم کشمیر کے بعد سوائے چاکری کے اور کچھ سیکھا بھی نہیں تھا جسے ثابت کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔

مارچ 1963ء کو حکومت پاکستان اور چائنہ کے درمیان معاہدہ ہوا جس کے تحت پاکستان نے چین کو 5,180 مربع کلومیٹر پر محیط گلگت بلتستان کا علاقہ تحفے میں دے دیا۔ 1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے گلگت بلتستان کو براہ راست وفاق کے ساتھ منسلک کر دیا جبکہ 1977ء میں جب پاکستان میں مارشل لاء لگا تو شمالی علاقہ جات مارشل لاء کے زون E کا حصہ تھے۔

پاکستان میں قائم پیپلز پارٹی کی حکومت نے سیلف گورننس آرڈیننس 2009ء کے تحت گلگت بلتستان میں قانون ساز اسمبلی (صوبائی طرز حکومت) کے ذریعے گلگت بلتستان کے عوام کو ووٹ کا حق دیا، گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کی چوبیس نشستوں پر براہ راست الیکشن کے ذریعے صوبائی طرز کی اسمبلی ممبران کا انتخاب کرنے کو گلگت بلتستان کے عوام کو حقوق دیئے جانے سے منسوب کیا گیا جبکہ چھ ممبران گلگت بلتستان کونسل کا انتخاب بذریعہ ممبران صوبائی اسمبلی کروایا جاتا ہے۔ پاکستان اور چین کے مابین اقتصادی راہداری کا اہم راستہ ہونے کے ناطے گلگت بلتستان کو اہمیت سے دیکھا جا رہا ہے، اسی لئے حکمران طبقات گلگت بلتستان کی قانونی اور آئینی حیثیت کو محفوظ بناتے ہوئے سامراجی عزائم حاصل کرنا چاہتے ہیں، حکمران طبقات کے ان تمام اقدامات کا گلگت بلتستان میں بسنے والے اٹھائیس لاکھ سے زائد انسانوں کے معاشی، سیاسی مسائل کو حل کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بھارتی مقبوضہ کشمیر

ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں بھی کٹھ پتلی حکومت ہی قائم کی گئی۔17 اکتوبر 1949ء میں آرٹیکل 370 کا نفاذ عمل میں لایا گیا جس کی رو سے دفاع، بیرونی معاملات، فنانس اور کمیونیکیشن کے شعبے ہندوستان کو سونپے گئے۔جس طرح پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں صدور کو اسلام آباد کے اشاروں پر ہٹایا اور نامزد کیا جاتا اسی طرح ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں بھی دہلی کے اشاروں پر حکومتیں گرتی اور بنتی رہیں۔1953ء میں شیخ عبداللہ کو پہلی بار وزارت عظمیٰ سے ہٹایا گی اور بخشی غلام محمد کو وزیراعظم نامزد کیا گیا۔بعدازاں دہلی کے منتخب کردہ لوگ ہی ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں حکومتوں کے سربراہ ہوتے۔1974ء میں کشمیر میں انتخابات کے نتیجے میں شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس نے کامیابی حاصل کی اور اب کی بار شیخ عبداللہ وزیراعلیٰ بنے۔

ستمبر 1990ء میں AFSPA (آرمڈ فورسز سپیشل پاور ایکٹ) کو کشمیر میں نافذ کیا گیا۔ AFSPA کا اطلاق ایسے تمام علاقوں پر ہوتا ہے جو تنازعات کا شکار ہوں۔تنازعات کس قسم کے ہوں تو AFSPA کا اطلاق ہوگا اس کا فیصلہ ہندوستانی حکومت کرتی ہے۔اس قانون کے تحت افواج کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ کسی کو بھی گولی مار سکتی ہے، بغیر کسی وارنٹ کے کسی سے بھی پوچھ گچھ کر سکتی ہے اور اس کی تلاشی لے سکتی ہے اور جسے بھی جرم کا مرتکب سمجھے اس کی ملکیت تک تباہ کر سکتی ہے۔ہندوستانی حکومت اس قانون کی آڑ میں ابھرنے والی بغاوتوں کو کچلتے ہیں اور ان پر فوج وحشیانہ تشدد کرتی ہے۔

ہندوستانی فوج کے جبر اور کشمیری عوام پر ہونے والے معاشی جبر نے یہاں کے عوام کی زندگیوں کو جہنم بنا کر رکھا ہے۔

3۔ کشمیری عوام کے دگرگوں حالات

تقسیم کشمیر کے 69 سالوں بعد جہاں قومی جبر میں کوئی کمی نہیں آئی وہیں معاشی جبر نے بھی یہاں کی عوام کو کسمپرسی کی زندگی جینے پر مجبور کر رکھا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کا حکمران طبقہ جب اپنے ممالک میں عوام کو بنیادی سہولیات نہیں دے سکا اور نہ ہی انفراسٹرکچر کی تعمیر کر سکا ہے تو اپنے مقبوضہ علاقوں میں کس طور کسی قسم کی ترقی دینے میں کامیاب ہوسکتا؟ ماضی کے بادشاہوں نے یہاں کے فن اور ادب کو تباہ کیا۔ کشمیری قالین اور شالیں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔ مقامی صنعت کو برباد کیا گیا۔ یہاں کے قدرتی حسن پر مافیائی قبضہ موجود ہے جو جنگلات کے کاروبار میں مصروف ہے۔ انفراسٹرکچر کی عدم تعمیر اور معاشی ترقی نہ ہونے کے باعث روزگار کے ذرائع نہ ہونے کے برابر ہیں جسکے باعث کشمیری عوام نے بیرون ملک جا کر محنت بیچنا شروع کیا۔ تازہ سروے کے مطابق کشمیر کے دونوں اطراف سے بیرون ملک محنت فروخت کرنے کیلئے نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد پورے برصغیر میں سب سے زیادہ ہے۔ ان کی اکثریت بیرونی ممالک میں انتہائی تلخ حالات میں محنت بیچنے پر مجبور ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں 50 ڈگری سینٹی گریڈ سے زائد درجہ حرارت پر کھلے آسمان تلے اور انتہائی غیر انسانی حالات میں کام کر کہ یہاں کے باسی اپنے گھر والوں کا پیٹ پالنے میں مصروف ہیں۔ مشرق وسطیٰ، یورپ اور امریکہ میں بڑھتے معاشی عدم استحکام کے باعث ان محنت کشوں کی زندگیاں مزید تلخ ہوگئی ہیں، یورپ اور امریکہ میں کشمیری محنت کشوں کی ایک بڑی تعداد غیر قانونی طور پر مقیم ہونے کے سبب بدترین استحصال کا شکار ہے، ایک سروے کے مطابق ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں پانچ لاکھ سے زائد نوجوان بیروزگار ہیں جن میں ہزاروں ایسے نوجوان ہیں جنہوں نے نہ صرف گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی ہوئی ہے بلکہ پروفیشنل ڈگری ہولڈرز بھی اس بے روزگار فوج کا حصہ ہیں۔ برطانوی ادارے چیتھم ہاؤس کے سروے کے مطابق کشمیر کے دونوں اطراف 81 فیصد کشمیریوں کے اولین مسائل میں بیروزگاری کا مسئلہ اہم ترین ہے۔

آج اس پورے خطے میں تبدیلی کی تڑپ پہلے سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ بیرونی

فوجوں کے جبر کے ساتھ ساتھ تعلیم ،علاج ،روزگار،انفراسٹرکچر کی تباہ حالی نے پہلے سے تباہ حال زندگیوں کومزید اجیرن بنا کر رکھا ہے۔عالمی معاشی بحران نے بیروزگاری کے اُمڈتے طوفان میں مزید اضافہ کیا ہے ۔صرف نام نہاد''آزاد کشمیر''میں ہر سال تقریباً60ہزار نوجوان روزگار کی عمروں کو پہنچتے ہیں۔مشرق وسطیٰ میں معاشی بحران نے وہاں پہلے سے موجود کشمیریوں کو روزگار سے بے دخل کرنا شروع کر دیا ہے ایسی صورتحال میں نئی بیروزگاروں کی فوج کو سنبھالا دینے کیلئے مقامی حکمرانوں اور سیاسی قیادتوں کے پاس کوئی حل موجود نہیں ہے،گلگت بلتستان ،جموں،لداخ اور کشمیر میں انفراسٹرکچر سمیت کوئی بھی مسلہ حل نہیں ہوا۔خواتین آج بھی دور دراز سے پانی لاتی ہیں۔گھنٹوں پیدل چل کر شہروں تک پہنچا جاتا ہے۔خستہ حال سڑکیں اور بعض علاقوں میں سڑکیں نہ ہونے کے باعث مریض بغیر علاج کے دم توڑ جاتے ہیں۔اگر کوئی ہسپتال تک پہنچ بھی جائے تو ہسپتالوں میں سہولیات کی عدم دستیابی انکی موت کا موجب بنتی ہے۔بھاری فیسوں کے باعث اعلیٰ تعلیم تک رسائی نہ ہونے کے برابر ہے۔الغرض مہنگائی، بیروزگاری،طبقاتی نظام تعلیم،انفراسٹرکچر کی بدحالی اور دیگر بنیادی انسانی ضرورتوں کی عدم دستیابی،قومی،سیاسی وطبقاتی استحصال نے اس خطے کے باسیوں کی زندگیاں اجیرن بنا رکھی ہیں۔

4۔اُمڈتے طوفان

تقسیم کشمیر سے پہلے ڈوگرہ راج کے ظلم وستم کے خلاف جہاں کشمیری عوام نے انتھک جدوجہد کی وہیں بعداز تقسیم کشمیری عوام نے قومی آزادی کے حصول اور معاشی محرومیوں کے خلاف ناقابل مصالحت جدوجہد جاری رکھی۔اس ضمن میں ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں 1987ء میں ابھرنے والی ایک اہم تحریک بھی ہے جس نے دنیائے عالم کو یہ بتایا کہ جب جب جبر ہوگا تب تب کشمیری عوام موت کو خوف سے بے بہرہ ہو کر ظلم اور ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ 1987ء میں ہونے والے انتخابات کے بعد ابھرنے والی بغاوت کو کچلنے کے لئے چھ لاکھ ہندوستانی فوجیوں کو کشمیر میں بھیجا گیا۔لیکن آزادی کے جذبے سے سرشار کشمیری عوام نے موت

کے خوف تک کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ 2003ء میں واجپائی کی جانب سے امن کے لئے ہاتھ پھیلانا درحقیقت اس بات کو تسلیم کرنا تھا کہ طاقت کے ذریعے کشمیری عوام کی بغاوت کو کچلا نہیں جا سکتا۔ جدوجہد کے اس سفر کی داستان 2010ء میں ابھرنے والی نوجوانوں کی تحریک تک پھیلی ہوئی ہے جس میں تقریباً تیرہ سو نوجوانون کو گرفتار کیا گیا۔ 2015ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے 1990ء کی بغاوت کے بعد اب تک 94 ہزار افراد مارے جا چکے ہیں، 23 ہزار عورتیں بیوائیں ہوئیں، ایک لاکھ سے زائد بچے یتیم ہوئے۔ ایک بار پھر کشمیر میں برہان وانی کی شہادت کے بعد تحریک ابھری ہے جس میں ہندوستانی فوج نے مظاہرین کو پسپا کرنے کے لئے پیلٹ گن کا استعمال کیا ہے۔ ابھی تک اس جبر میں سو سے زائد ہلاکتیں ہو چکی ہیں، سینکڑوں افراد پیلٹ گن کے چھروں کا نشانہ بنتے ہوئے قوت بینائی سے محروم ہو چکے ہیں، ہزاروں زخمی ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ اس سب کے باوجود کشمیری بلاخوف وخطر ہندوستانی فوج کے خلاف جواں مردی سے لڑ رہے ہیں۔

اس پار کشمیر اور گلگت بلتستان میں بھی بغاوت کی چنگاری تھمنے کا نام نہیں لے رہی اور وقتاً فوقتاً ریاستی قبضہ اور معاشی جبر کے خلاف آواز بلند ہوتے ہوئے نظر آتی ہے۔ آزادی کی اس تحریک نے مختلف آزادی پسند تنظیموں کے گرد تحریک کو منظم کیا اور آزادی کے لئے یہاں کے باسیوں نے اپنی جان تک قربان کیا ہے۔ مقبول بٹ شہید سمیت این ایس ایف اور دیگر طلباء تنظیموں میں نوجوانوں نے اس راہ میں اپنی جان کی بازی تک لگا دی۔ ساٹھ کی دہائی میں منگلا ڈیم کی تعمیر کیخلاف ابھرنے والی نوجوانوں کی تحریک نے آزادی کے اس سفر میں نوجوانوں میں ایک مرتبہ پھر نیا جذبہ پیدا کیا۔ 1980ء میں کشمیری طلباء نے یونیورسٹی کے قیام کے لئے جدوجہد کی حتیٰ کہ پاکستانی حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئی۔ گلگت بلتستان اور کشمیر میں بارہا اپنے مسائل کے حل کے لئے علم بغاوت بلند رکھا۔ حالیہ عرصہ میں گلگت بلتستان میں ابھرنے والی آٹے کی سبسڈی ختم کرنے پر بغاوت نے حکومت کو جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جبکہ 15 اگست اور 24 اگست 2016ء کو گلگت بلتستان میں وفاق (پاکستان) کی جانب سے نافذ کئے جانیوالے ٹیکسز اور پاک چین

اقتصادی راہداری میں گلگت بلتستان کے عوام کو حصہ دینے سمیت دیگر معاشی و سیاسی مطالبات پر عوامی ایکشن کمیٹی کے تحت ایک مرتبہ پھر مکمل پہیہ جام و شٹر ڈاؤن ہڑتال اور احتجاج کیا گیا، جس میں وفاق کو ٹیکسوں کے فیصلہ جات واپس لینے سمیت دیگر مطالبات پورے کرنیکی ڈیڈ لائن دی گئی، اس عوامی غیض و غضب کو کچلنے کیلئے ریاست کی جانب سے مختلف مقدمات قائم کئے گئے اور گرفتاریاں بھی عمل میں لائی گئیں لیکن تحریک ان ریاستی ہتھکنڈوں سے دبائی نہیں جاسکتی۔

آج خونی لکیر کے دونوں اطراف قومی اور طبقاتی جبر اپنے عروج پر ہے۔ گلگت سے لیکر وادی کشمیر تک اور کیل سے لیکر بھمبر تک بیش بہا وسائل ہونے کے باوجود یہاں کے عوام کا ان پر کوئی کنٹرول نہیں اور انہیں اپنے استعمال میں لاتے ہوئے خود پر صرف کرنیکا اختیار نہیں ہے۔

5۔ آزادی: مگر کیسے؟

کشمیری عوام نے بارہا میدان عمل میں آکر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ بھارت اور پاکستان کی ریاستوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے۔ لیکن جہاں کشمیری عوام نے اپنے مسائل اور آزادی کے لئے ناقابل مصالحت جدوجہد جاری رکھی وہیں قیادت کی مصالحت پر مبنی اور غلط پالیسیوں نے تحریک کو شدید نقصان پہنچایا۔

1947ء سے آج تک ایک طویل لڑائی لڑی گئی ہے۔ 90ء کی دہائی میں جس طاقت سے ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں کشمیریوں نے تحریک چلائی اُس نے ہندوستانی ریاست تک کو بوکھلاہٹ کا شکار کر دیا تھا۔ اسی طرح اس پار بھی قومی آزادی کی تحریک 70، 80 اور 90 کی دہائیوں میں اپنے عروج پر تھی۔ اس تحریک کو اگر درست انقلابی قیادت ملتی تو یہ پوری دنیا کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی۔ لیکن یہاں موجود قیادت نے نہ صرف اس تحریک سے غداری کی بلکہ درحقیقت وہ خود بھی متذبذب صورتحال کا شکار رہی۔

قیادت کا کچھ حصہ اقوام متحدہ کو اپنا نجات دہندہ سمجھتا ہے۔ اقوام متحدہ ایک ایسا ادارہ ہے جو عالمی طاقتوں نے اپنے مفادات کے لئے بنایا تھا۔ یہ ادارہ شاہ سے بڑھ کر شاہ کا وفادار اور چوروں

کا باورچی خانہ ہے۔ یہ شکاری درندوں کا ایک گروہ ہے۔اس نے ہر بار نہ صرف اپنے خصی پن کا ثبوت دیا ہے بلکہ اس نے اپنی وفاداری بھی ثابت کی ہے۔اقوام متحدہ کے قائم ہونے کے بعد سے اب تک ہونے والی جنگوں، خانہ جنگیوں اور تنازعات میں دوسری عالمی جنگ سے پانچ گنا زیادہ انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ سامراجی منافعوں اور لوٹ مار کے باعث پیدا ہونے والی غربت اور ذلت سے مرنے والوں کی تعداد اس سے الگ ہے۔ کشمیر، فلسطین سمیت شام، عراق، یمن اور دنیا کے دیگر خطوں میں سامراجیوں نے ہر بار قتل کی نت نئی داستانیں رقم کیں اور ہر بار اس کی نام نہاد قراردادیں دھوکے باز حوصلوں اور امیدوں کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوئیں۔ درحقیقت اقوام متحدہ ،آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سامراجی ادارے اور عالمی طاقتوں کے ذیلی ادارے ہیں۔ ان اداروں کا مقصد صرف سامراجیوں کے مقاصد کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ سرمائے کی اس جنگ میں دنیا بھی سرمایہ داروں کی ہے، قانون بھی ان کے، عدالتیں بھی انکی، انصاف بھی انکا اور ادارے بھی انہی کے اور یہ تحفظ بھی انہی کا کریں گے۔ بھلا دو وقت کی روٹی کو ترسنے والے عوام کی شنوائی اربوں ڈالروں سے بنی ان عمارتوں کے اندر بیٹھے انسانی حس سے محروم مٹی کے پتلوں کے سامنے کیا ہوگی؟ اقوام متحدہ سے آزادی کی امید لگانا درحقیقت آزادی کی اُس جدوجہد سے غداری ہے جسے کشمیری عوام نے اپنا لہو دے کر زندہ رکھا ہے۔

اس کے علاوہ کشمیریوں کی آزادی کے انجام تک نہ پہنچنے کی ایک وجہ قیادت کا اسے فرقہ وارانہ رنگ دے کر مذہبی مسلح گروہوں کی اس میں شمولیت بھی ہے۔ پاکستانی حمایت سے چلنے والے ان گروہوں کا مقصد کشمیر کی تحریک کو پاکستان کے حق میں اٹھنے والی بغاوت ثابت کرنا ہے۔اس سے نہ صرف بھارتی حکومت کو مزید جبر کا جواز ملتا ہے بلکہ تحریک ایک حد تک قید ہو کر رہ جاتی ہے۔ مسلح جدوجہد جس قسم کی بھی ہو اس کے ذریعے بہت زیادہ عوامی حمایت حاصل کرنا ممکن نہیں اور یہ تحریک کو زائل کرنے کا باعث بنتی ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں ایک ارب سے زائد آبادی کی رسائی بنیادی سہولیات تک نہیں ہے۔ پاکستان میں 60 فیصد جبکہ ہندوستان میں 85 کروڑ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی

گزارنے پر مجبور ہے۔ان ممالک میں انفراسٹرکچر کی عدم تعمیر سمیت یہاں کا حکمران طبقہ قومی جمہوری انقلاب کا کوئی ایک بھی فریضہ پورا کرنے سے قاصر رہا ہے۔بلوچستان میں قومی آزادی کی جدوجہد سمیت پورے پاکستان میں آج مختلف چھوٹی بڑی تحریکیں موجود ہیں ۔ہندوستان میں 1990ء کے بعد پانچ لاکھ سے زائد کسانوں نے خودکشیاں کی اور 19 ریاستوں میں علیحدگی کی تحریک موجود ہے۔

خطہ کشمیر میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔قیادت کے اس بپھری ہوئی تحریک کو جوڑ کر منظم نہ کرنے کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔JKNSF اس خطے میں آزادی کی اس جدوجہد کو جدید تقاضوں پر لڑ رہی ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی آزادی کا سوال کسی مذہبی نقطہ نظر سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک ایسی قوت تعمیر کی جائے جو تحریک کو ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں جموں، کشمیر اور لداخ سمیت اس پار نام نہاد آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان سمیت شاخسم ویلی تک منظم کر سکے۔پھر اس تحریک کا پاکستان اور بھارت کے محنت کشوں اور نوجوانوں سے طبقاتی تعلق قائم کرتے ہوئے اس پورے خطے میں ابھرنے والی منظم تحریک ہی اس خطے کی آزادی کی واحد ضامن ہے۔آزادی کی اس تحریک میں پاکستان اور ہندوستان بھر کے مظلوم طبقات اور محنت کش عوام جنہیں سرمایہ داری اور اس متروک ریاست نے برباد کیا ہے کی عملی مداخلت ہی اس خطہ سے سرمایہ داری کا مکمل خاتمہ کرنے اور برصغیر بھر میں بسنے والے انسانوں کی زندگیوں کو سنوارنے سمیت دنیا بھر کے مظلوم و محکوم عوام کیلئے روشنی کی ایک کرن ثابت ہوسکتی ہے۔

7۔قومی جمہوری اور سوشلسٹ انقلاب

آج کی جدید قوم اور قومی ریاست کا ظہور تین سے پانچ سو سال پرانا ہے، یہ قوم اور قومی ریاست دراصل جاگیرداری کیخلاف ایک سرمایہ دارانہ انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی۔اس انقلاب کو صنعتی انقلاب، قومی جمہوری انقلاب یا بورژوا انقلاب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اگرچہ اس سرمایہ دارانہ صنعتی انقلاب کی مختلف ممالک میں مختلف مخصوص صورتیں موجود ہیں لیکن سماجوں میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں انکی کچھ عمومی قدریں مشترک ہیں۔صنعتی انقلاب کے ذریعے برپا ہونیوالی تبدیلیوں میں مندرجہ ذیل اہم سمجھی جاتی ہیں۔

۱)۔جدید قوم اور نئی قومی ریاست کی تشکیل

۲)۔زرعی اصلاحات، زمینوں کی تقسیم اور دیہی محنت کشوں کی شہروں اور صنعتوں میں بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۳)۔صنعتی انقلاب اور جدید صنعت کی تشکیل کیلئے بنیادی انفراسٹرکچر کی تعمیر۔

۴)۔بورژوا یا پارلیمانی جمہوریت کا اجراء

سرمایہ دارانہ انقلاب عالمی سطح پر ایک ہی طرز پر رونما نہیں ہوئے بلکہ دنیا کے ایک تہائی سے بھی کم حصے پر سرمایہ دارانہ انقلابات برپا ہو سکے۔اس کے باوجود اس سرمایہ دارانہ قومی جمہوری انقلاب کے ذریعے ہونیوالی ترقی اتنی تیز تھی کہ چند سالوں کے بعد ہی اس سے پیداوار میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ قومی اور ملکی منڈیاں میں اسکی کھپت کیلئے کم پڑ گئیں۔نتیجتاً نو آبادکاری اور دوسرے پسماندہ ممالک اور براعظموں پر ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ممالک نے دھاوا بول کر انکو مفتوح کرنا اور انکی منڈیوں، معدنیات اور وسائل پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ برصغیر میں بھی اسی طرح کے توسیع پسندانہ عزائم لیکر برطانوی سامراج نے قبضہ کیا۔ برصغیر میں نہ تو کوئی قومی ریاست تھی، نہ جدید قوم کا کوئی وجود تھا اور نہ ہی کوئی ایسی صنعتی و قومی ترقی تھی جس سے مغربی سامراجی جارحیت کا مقابلہ کیا

جا سکتا۔ برطانوی سامراج نے روایتی پالیسی ''تقسیم کرو اور حکمرانی کرو'' کے ذریعے ہندوستان میں مختلف ریاستوں، راجدھانیوں، قومیتوں اور مذہبی گروہوں کے درمیان تضادات کو ابھار کر انکو آپس میں لڑایا اور اپنا تسلط قائم کیا اور انہی نفرتوں کو ہتھیار بناتے ہوئے برصغیر سے وسائل کی لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد برطانوی سامراج کے کمزور ہو جانے کے باعث جب برصغیر پر براہ راست قبضہ برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس وقت ہندوستان میں ابھرنے والی قومی آزادی کی تحریک کی کمان ہندوستان کے حکمران طبقے اور قوم پرست لیڈروں کے پاس تھی لیکن جب اس تحریک میں ہندوستان کے محنت کشوں نے مداخلت شروع کی تو حالات سامراج کیلئے تشویش ناک ہو گئے کیونکہ قومی آزادی کی تحریک کا کسی طبقاتی آزادی کی تحریک میں یعنی سوشلسٹ انقلاب کی تحریک میں بدلنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس خطرہ سے نمٹنے کیلئے ایک مرتبہ پھر برطانوی سامراج نے اپنے پرانے آزمودہ فارمولے کا سہارا لیتے ہوئے مذہب کی بنیاد پر برصغیر کی تقسیم کے عمل کے ذریعے طبقاتی تحریک کو کاری ضرب لگائی۔ تقسیم کے بعد بننے والے دونوں ملک پاک و ہند اور بعد ازاں 1971ء میں بننے والا تیسرے ملک بنگلہ دیش کے حکمران طبقات قومی جمہوری انقلاب کا کوئی ایک بھی فریضہ مکمل نہیں کر سکے اور سرمایہ داری کے اندر رہتے ہوئے اب یہ ممکن بھی نہیں رہا ہے۔

پسماندگی اور جدیدیت کے ادغام پر مبنی معاشروں کے حکمران اپنی تاریخی اور اقتصادی کمزوری کی وجہ سے ان معاشروں کو ترقی یافتہ اور جدید بنانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تاریخی طور پر سرمایہ دارانہ صنعتی انقلاب کے جو فرائض بورژوا طبقے نے مکمل کرنے تھے وہ پاکستان، ہندوستان اور دوسرے نوآبادیاتی ممالک کے حکمران 'آزادی' کے بعد ان میں سے کسی فریضے کی تکمیل نہیں کر سکے۔ اور بڑھتے ہوئے سامراجی تسلط میں اس نظام میں رہتے ہوئے کبھی بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان فرائض کو تکمیل کیلئے درکار وسائل (بھاری صنعت، بینک، سرمایہ وغیرہ) کو ریاستی تحویل میں لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس طرح قومی جمہوری انقلاب کے فرائض کو مکمل کرنے کیلئے سوشلسٹ

اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔اس لئے اس انقلاب کا کردار مسلسل یا پیہم ہو جاتا ہے۔اس حالت میں جس طبقے نے انقلاب کی قیادت کرنی ہے وہ تاریخی اعتبار سے انسانی سماج کا جدید ترین طبقہ یعنی صنعتی مزدور یا پرولتاریہ ہے اپنی قیادت میں وہ غریب کسانوں اور سماج کے دوسرے بچھڑے ہوئے طبقات اور پرتوں کو لے کر ہی سرمایہ داری کا سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے خاتمہ کرے گا۔ سوشلزم کا حتمی مقصد ایک طبقات سے پاک معاشرہ کا قیام ہے ایسا سماج جہاں تمام اشیائے صرف کی بہتات کے ساتھ مساوی اور اجتماعی فراہمی ہو۔ایک ملک اور خصوصاً ایک پسماندہ ملک میں موجود ثقافتی، صنعتی و فنی معیار اس قابل نہیں ہوتا کہ ان سے سوشلزم کے بنیادی تقاضوں کا حصول ممکن ہو اس لئے اگر سوشلسٹ انقلاب ایک ملک میں برپا ہوتا ہے تو سوشلزم کے حصول کیلئے پہلے تمام خطے میں اور پھر عالمی طور پر سوشلسٹ انقلابات کے عمل کا پھیل جانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

لینن نے کہا تھا کہ ''سوشلزم کا مقصد محض نسل انسان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم اور کسی بھی شکل میں قومی بیگانگی کا خاتمہ ہی نہیں۔ یہ صرف قوموں کو قریب لاکر اکٹھا ہی نہیں کرتا بلکہ وہ انکا ادغام بھی کرتا ہے''

آزادی کے حصول کیلئے طاقتور عوام ہی ہیں۔کشمیر کا حکمران طبقہ اس قابل نہیں کہ ترقی کی منازل طے کر سکے۔درحقیقت کشمیری عوام کا بیرون ملک جدید صنعت میں کام اور سرمائے کی مداخلت کے باعث یہاں کے شعور نے ایک معیاری جست لگائی ہے اور وہ اس قابل ہیں کہ آزادی کے بعد ایک انقلابی پارٹی کی قیادت میں عوامی حکومت قائم کر سکیں۔یہ عوامی حکومت پنچائتوں پر مشتمل ہوگی جو یہاں سے سرمایہ داری کے جبر اور بورژوا جمہوریت کو اس کے تمام تر اداروں سمیت بے دخل کرے گی اور یہاں قومی جمہوری انقلاب سمیت ترقی کے تمام فریضے پورے کرے گی۔یہ عوامی پنچائتیں (عوامی کمیٹیاں) ہر علاقے تک پھیلی ہوں گی جو اپنے مندوبین شہروں میں موجود کمیٹیوں میں بھیجیں گی۔مختلف شہروں میں موجود کمیٹیاں اپنے مندوبین ضلعی کمیٹیوں میں بھیجیں گی اور ضلعی کمیٹیاں مرکزی کمیٹی میں مندوبین بھیجیں گی۔ان مندوبین کو مقررہ مدت کے لئے بھیجا جائے گا اور عوام کو یہ حق حاصل ہوگا کے اپنے منتخب کردہ کسی بھی مندوب کو کسی

بھی وقت واپس بلا لیں ۔ پارلیمانی جمہوریت یا سرمایہ دارانہ جمہوریت میں ہر پانچ سال بعد اپنا نمائندہ چننے کو کہا جاتا ہے اور پانچ سال عوام کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا جبکہ عوامی پنچائتی نظام میں کسی بھی مندوب کو مقررہ مدت سے پہلے بلائے جانے کا حق بھی عوام کو حاصل ہوگا۔ یہ کمیٹیاں معدنیات سمیت کشمیر کے تمام وسائل کو اپنے کنٹرول میں کریں گی اور ان کو استعمال میں لاتے ہوئے خالصتاً انسانی ترقی اور خطے میں موجود پسماندگی کو ختم کرنے کے لئے بروئے کار لائیں گی اور ترقی کی منازل طے کریں گی۔

کشمیر کا انقلاب پاکستان اور بھارت کے محنت کشوں کو تحریک دے گا اور پورے برصغیر میں انقلابی طوفان اُمڈے گا۔ یہ طوفان برصغیر کی سوشلسٹ فیڈریشن کے قیام پر منتج ہوگا۔ جہاں بلوچستان سے لیکر کشمیر، ناگالینڈ اور آسام تک آزادی کی تحریکیں کامیابی سے ہمکنار ہوں گی اور ایک رضاکارانہ سوشلسٹ فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ جس میں تمام قومیں برابر اور آزادی سے انسانی بھائی چارے کی ایسی نئی داستان رقم کرے گی جس پر پوری نسل انسانی کی تاریخ ناز کرے گی۔

برصغیر کی سوشلسٹ فیڈریشن کا قیام پوری دنیا سے سرمایہ داری کا خاتمہ کر کے اشتراکی نظام کو قائم کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ جس کے بعد ہی انسانیت سمیت کرہ ارض کی بقاء ممکن ہے۔

عبوری پروگرام ومنشور

☆ کشمیر کونسل اور وزارت امور کشمیر کے خاتمے اور لینٹ آفیسران کی فی الفور واپسی کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ لائن آف کنٹرول کے مکمل خاتمے اور بلا تخصیص تمام کشمیری عوام کی آمدورفت کی بحالی کی جدوجہد کرنا۔

☆ گلگت بلتستان کے عوام کے بنیادی سیاسی، جمہوری اور انسانی حقوق کے حصول کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ پاکستانی مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر)، گلگت بلتستان، بھارتی مقبوضہ کشمیر کے تمام قدرتی وسائل کی مجرمانہ لوٹ کھسوٹ کیخلاف جدوجہد کرنا اور ان علاقوں کے تمام وسائل کو قومی تحویل میں لیتے ہوئے کشمیر کی تعمیر وترقی کیلئے وقف کروانے کی جدوجہد کرنا۔

☆ انفرادی دہشت گردی، پراکسی وار اور مذہبی فرقہ واریت کیخلاف بھرپور جدوجہد کرنا۔

☆ جموں کشمیر بشمول گلگت بلتستان میں چین سمیت دیگر سامراجی ممالک اور سامراجی اداروں کی مداخلت کیخلاف جدوجہد کرنا۔

☆ ریاست جموں کشمیر سے غیر ملکی افواج کے مکمل انخلاء کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ افراط زر سے منسلک محنت کش کی کم ازکم تنخواہ ایک تولہ سونے کے برابر کرنے، ٹھیکیداری نظام اور چائلڈ لیبر کے خاتمے کی جدوجہد کرنا۔

☆ تمام بنیادی سہولتوں کی عوام کو مفت فراہمی، کام کے ہفتہ وار اوقات کار 35 گھنٹے کرنے کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ فرسودہ اور طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ اور نظام تعلیم کو جدید سائنسی اور غیر طبقاتی بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ ہر سطح پر تعلیم کی مفت فراہمی، ٹرانسپورٹ اور ہاسٹل کی مفت سہولیات کی فراہمی کی

جدوجہد کرنا۔

☆ آبادی کے تناسب سے جدید تعلیمی اداروں جن میں تمام سائنسی اور سماجی علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ میڈیکل، جیولوجیکل اور دیگر شعبوں میں تحقیق کی جدید سہولتوں کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ طلبہ یونین پر عائد پابندی کے خاتمے اور الیکشن کے انعقاد کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ تعلیمی اداروں میں کھیل اور ادبی ثقافتی سرگرمیوں کیلئے کھیل کے میدان، تھیٹر ہال وغیرہ کے حصول کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ تعلیم کو بنیادی حق تسلیم کروانا اور حصول تعلیم کے بعد روزگار کی ضمانت یا بیروزگار نوجوانوں کیلئے پندرہ ہزار روپے ماہوار بیروزگاری الاؤنس کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ صنفی بنیادوں پر خواتین سے ہونیوالی سماجی تفریق کا خاتمہ اور ہر شعبہ زندگی میں خواتین کے مساوی حقوق کے حصول کی جدوجہد کرنا۔

☆ تمام قومیتوں اور مذاہب کو برابری کی بنیاد پر حقوق اور ترقی کے مواقع فراہم کرنے کیلئے جدوجہد کرنا۔

☆ کشمیر کی قومی آزادی کی جدوجہد کو طبقاتی بنیادوں پر منظم کرتے ہوئے برصغیر کے محنت کشوں اور نوجوانوں کی جدوجہد سے منسلک کرتے ہوئے برصغیر کی رضا کارانہ سوشلسٹ فیڈریشن کے قیام کی جدوجہد کرنا جو کشمیر کی قومی، سیاسی و معاشی آزادی کی حقیقی ضامن ہے۔

دنیا بھر کے نوجوانوں اور محنت کشوں کے نام

جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن عہد ساز جدوجہد کے پچاس سال مکمل ہونے پر ہم جہاں جے کے این ایس ایف کے تاریخی پس منظر، عالمی منظر نامے سمیت کشمیر کی حقیقی قومی اور طبقاتی آزادی کے طریقہ کار کو زیر بحث لا رہے ہیں وہاں کشمیر کے بھارتی مقبوضہ حصے بالخصوص وادی میں جاری بھارتی ظلم و بربریت کیخلاف عوامی بغاوت کشمیر کے اس حصے، بھارت اور پاکستان کے محنت کشوں اور نوجوانوں اور بالعموم دنیا بھر کے محنت کشوں اور نوجوانوں کی حمایت کی متقاضی ہے۔ جموں کشمیر این ایس ایف دنیا بھر کے محنت کشوں اور نوجوانوں کو یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ کارل مارکس کے عظیم نعرے ''دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ'' کو بنیاد بنا کر کرہ ارض پر انسانیت کو تاراج کرنے کا موجب بننے والے مرتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی وحشت و بربریت کیخلاف علم بغاوت بلند کرنے میں جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ساتھ دیں۔ ہمارے پاس کھونے کو سوائے زنجیروں کے کچھ نہیں ہے جبکہ پانے کو سارا جہان پڑا ہے۔ جسے درست نظریات، جواں حوصلے اور درست حکمت عملی پر مرتب کی گئی جدوجہد کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جے کے این ایس ایف نہ صرف جموں کشمیر میں بلکہ عملی بنیادوں پر بالخصوص پاکستان، بھارت اور بالعموم دنیا بھر کے محنت کشوں اور نوجوانوں کی قیادت تراشنے کے عمل میں مصروف جہد ہے اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ نسل انسانی کو ترقی کی معراج پر لے جانے کیلئے عالمی سرمایہ داری نظام کے خاتمہ اور دنیا بھر میں سوشلسٹ انقلابات کی کامیابی لازم ہو چکی ہے۔

سچے جذبوں کو قسم آخری فتح محنت کشوں کی ہوگی۔
عالمی طلبہ، مزدور، کسان اتحاد۔۔۔زندہ باد